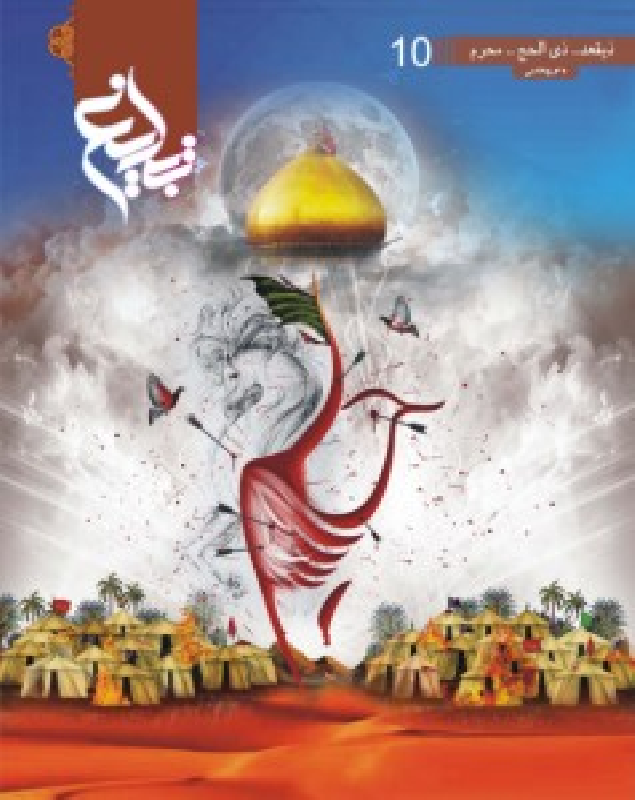
10
ذیقعده- ذی الحجه - محرم

فہرست مطالب

اداریہ: محرم وصفر؛ شہدائے کربلا کے ہم قدم ہونے کے مہینے	4
فلسفہ اور اسرار حج	6
قرآن اور تبلیغ (۶): مبلّغ کی صفات (۱)	12
امام خمینیؒ کی خطیبوں، نوحہ خوانوں اور عزاداروں کو وصیت	22
تبلیغ دین اور مذہب اہل بیتؑ کی حفاظت	25
اہل بیتؑ کی معرفت، اہل بیت کی زبانی	31
ماہ شوال تا ذی الحجہ کی اہم مناسبتیں	44
امام حسینؑ کی سیرت، فضائل، تعلیمات اور قیام کے اسباب	64
جہاد کے وقت امام حسین (ع) کی دعائیں	75
کربلا میں بنی ہاشم کے چند جلیل القدر شہداء کا مختصر تذکرہ	81
عزاداری امام مظلومؑ: اولیائے الٰہی کیلئے عزاداری کا فلسفہ کیا ہے؟	89
عزاداری کی مشکلات کیا ہیں؟	95
اُردو مرثیہ اور عقیدت امام حسین علیہ السلام	98

اداریہ

محرم وصفر؛شہدائے کربلا کے ہم قدم ہونے کے مہینے

انسانی خلقت کی ایک اہم ترین خصوصیت اُس کی اُسوۂ پذیری ہے،یعنی انسان نمونہ عمل کو قبول کرتا ہے اور نیک اور کامل شخصیات کی پیروی کرنا اور اُنہیں نمونہ عمل بنانا انسان کی سرشت میں رکھا گیا ہے۔انسان اپنے سے کامل،بزرگ اور بہتر انسان کی پیروی کرنے میں اپنی نجات سمجھتا ہے۔البتہ یہ الگ بات ہے کہ وہ اپنے سے بہتر،کامل اور بزرگوار شخصیات اور نمونوں کی تشخیص میں غلطی کر جاتا ہے،لیکن اُن کی پیروی کرنا اور اُنہیں نمونہ عمل بنانا اُس کے لئے ایک پسندیدہ کام ہے۔دین اسلام نے انسان کی اسی خصوصیت اور خصلت کی بنا پر اُسے اُسوۂ عمل ہستیوں کی طرف رجوع کرنے اور اُن سے محبت ومودت رکھنے کا حکم دیا ہے اور بہت سے مقدس اُسوۂ عمل ہستیوں کی نشاندہی بھی کی ہے۔جیسا کہ قرآن مجید کی سورۂ ممتحنہ کی آیت ۴ میں آیا ہے:"قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي اِبْرَاهِيمَ "اور سورۂ حزاب کی آیت ۲۱ میں ہے:" لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ"۔یعنی قرآن مجید حضرت ابراہیم اور حضرت رسول اکرم ﷺ جیسے عظیم انبیاء کو انسانوں کے لئے بطور اُسوۂ اور نمونہ پیش کررہا ہے۔انبیائے کرام کے بعد ائمہ اطہار کے اُسوۂ عمل ہونے کی تاکید حدیث ثقلین میں ہوتی ہے اور قرآن کے ساتھ ساتھ اہل بیت اطہار کی سیرت و کردار کو نمونہ عمل قرار دیتے ہوئے اُن کی پیروی کا حکم دیا جاتا۔ان ہستیوں کے بعد تمام علمائے ربانی،صالحین،مؤمنین،مجاہدین فی سبیل اللہ،شہدائے راہ حق،راہ اسلام میں صبر واستقامت دکھانے والے صحابہ کرام،میدان امتحان وآزمائش میں سرفراز ہونے والے،تمام انسانوں کے لئے بہترین نمونہ عمل قرار پاتے ہیں۔ان سب میں میدان کربلا میں راہ حق میں شہید ہونے والوں کا اُسوۂ عمل ہونا بغیر کسی شک وشبہے کے پوری انسانیت کے لئے واضح اور روشن ہے۔شہدائے کربلا اور امام عالی مقام کے اُسوۂ کی پیروی اُسی وقت ممکن ہے جب تک ہم امام حسین اور شہدائے کربلا(علیہم السلام) کے ہم قدم نہیں ہوجاتے۔

میدان کربلا اور قیام امام حسین علیہ السلام شروع سے آخر تک نہ فقط عالم اسلام کے لئے بلکہ پورے عالم انسانیت کے لئے ایک قیمتی ترین اور کامل ترین نمونہ اور اُسوہ ہے۔جس میں ہمیں اخلاقی،تربیتی،عقیدتی،عبادی،اجتماعی اور سیاسی نمونے مل سکتے ہیں جس کی پیروی کرکے ہم زندگی کے تمام ادوار اور تمام پہلوئوں میں سرفراز ہوسکتے ہیں۔چونکہ کربلا میں معاشرے کے تمام طبقات کی نمائندگی ملتی ہے،چھ ماہ کے بچے سے لیکر تیرہ سالہ نوجوان،اٹھارہ سے لیکر، تیس سالہ جوان سے لیکر چالیس وپچاس سال کے ادھیڑ عمر اور نوے سال کے بزرگ اور بوڑھے کربلا میں موجود تھے،جنھوں نے ہر پہلو سے فداکاری اور ایثار کے نمونے پیش کئے اور ہر دور کے انسانوں کے لئے تعمیر انسانیت کی بنیادیں فراہم کیں۔یہ ایسے لوگ تھے کہ جن کے بارے امام حسین علیہ السلام پورے فخر کے ساتھ فرماتے ہیں :" فَاِنِّی لاأعلم اصحاباأولیٰ ولاخیرا من اصحابی ولااھل بیت آبر ولااوصل من اھل بیت، فجزاکم الله عنی جمیعا خیرا "یعنی:میں تم سے زیادہ بہتر اصحاب کو نہیں جانتا اور میں نے تم سے زیادہ اچھے اور بافضیلت عزیز واقارب نہیں دیکھے،اللہ آپ سب کو میری مدد کرنے پر جزائے

خیر عطا فرمائے۔(لهوف، ص ۱۳۰)زیارت ناحیہ مقدسہ میں بھی امام زمانہ (عج) نے اصحاب امام حسین پر اس طرح سلام بھیجا ہے :" السلام علیکم باخیر انصار "(اے بہترین انصار و مدد گاروں تم پر سلام ہو)۔

میدان کربلا میں شب عاشور ہو یا روز عاشور جہاں امام حسین علیہ السلام اور آپ کے اہل بیت واولاد نے انسانی اخلاق وفضائل کے بلند ترین مقامات و مراتب کا مظاہرہ کیا ہے وہاں آپ پر فدا ہونے والے انصار واصحاب نے بھی انسانی تربیت واخلاق کی بہترین مثالیں قائم کی ہیں جو رہتی دنیا تک انسانیت کے نمونہ عمل بنی رہیں گی۔ یہ فرمان کس قدر حقیقت پر مبنی ہے کہ "کل یوم عاشورا کل ارض کربلا"۔ اس فرمان سے ظاہر ہوتا ہے کربلا ایک خاص خطے کا نام نہیں ہے اور یوم عاشور فقط ایک دن کا نام نہیں ہے بلکہ جس دن بھی اور جس سرزمین پر بھی حق وحقیقت کی خاطر کوئی قربانی دیتا ہے تو وہ دن یوم عاشور ہے اور وہ سرزمین کربلا کہلانے کی حقدار ہے۔ چونکہ کربلا اور عاشور ایک ابدی پیغام کا نام ہے لہذا اس کے کردار بھی ابدی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس بات کے پیش نظر کربلا میں امام حسین علیہ السلام اور آپ کے اصحاب باوفا کا کردار تا قیامت آنے والے حق پرستوں کے لئے نمونہ عمل ہے۔ جب تک ظلم وستم ہے، یزیدیت ہے، حقوق کی پامالی ہے ،الٰہی قوانین کی نافرمانی ہے، ناحق قتل وغارت ہے اُس وقت تک "کل ارض کربلا" بھی ہے اور "کل یوم عاشور" بھی ہے۔ آج کراچی سے لیکر گلگت اور پاراچنار تک انسانی حقوق کی پامالی ہو رہی ہے، مظلوموں کا خون بہہ رہا ہے، یزیدیت دندناتی پھر رہی ہے اور ہمارا ہر دن یوم عاشور کا منظر پیش کر رہا ہے تو کیا اس کے مقابلے میں کربلا والوں کی وفاداری، شجاعت، صبر واستقامت، حق گوئی وبیباقی نہیں ہونی چاہیے۔ اگر کل یوم عاشور اور کل ارض کربلا پر ایمان ہے تو کیا کربلا میں تعمیر انسانیت کے جو درس دیئے گئے ہیں اور جو نصاب انسانیت تشکیل دیا گیا ہے، اُس پر عمل نہیں ہونا چاہیے ؟

مبلغین اسلام کے لئے آج کربلا کے اُسوۂ عمل نصاب کے مطالعے کی پہلے سے کہیں زیادہ ضرورت ہے۔ جب تک کربلا والوں کے نمونہ عمل نصاب کو دوہرایا نہیں جائے گا اور شہدائے کربلا کے ہم قدم چلنے کی کوشش نہیں کی جائے گی، شہداء کی بیواؤں اور یتیموں کو درس صبر واستقامت نہیں دیا جا سکے گا۔ آج فقط رسمی گریہ وماتم ہی کی ضرورت نہیں ہے بلکہ گریہ وماتم کے ساتھ ساتھ امام حسین اور شہدائے کربلا کے ساتھ ہم قدم ہونے کی بھی ضرورت ہے اور یہ ہم قدمی اُسی وقت ہو سکتی ہے جب پوری قوم میں سیرت وکردار حسینی کا گہرا شعور پیدا کیا جائے اور پاکستانی معاشرے کو استعمار شکن اور یزیدیت شکن معاشرے میں تبدیل کیا جائے۔ آج رسمی احتجاج اور علامتی دھرنوں اور سیاہ لباس سے زیادہ ابوالفضل العباس کی وفا، حبیب ابن مظاہر جیسے بوڑھے کی جان نثاری، قاسم ابن حسن کے شوق شہادت، حر کی بصیرت، سعید بن عبداللہ حنفی کی نماز عشق، سیاہ غلام جون کی حق شناسی، اُم وھاب کی راہ حق میں قربانی اور عقیلہ بنی ہاشم کی صلابت واستقامت کی ضرورت ہے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر امسال محرم الحرام کی مناسبت سے تمام بولنے والوں اور لکھنے والوں خصوصاً مبلغین اسلام کو کربلا کے نمونہ عمل کرداروں کو زندہ کرنا چاہیے اور قوم کے بچے بچے میں ان عملی نمونوں کی پیروی کا جذبہ پیدا کرنا چاہیے۔ سہ ماہی تبلیغ کا یہ شمارہ اسی پیغام کے ساتھ آپ تک پہنچایا جا رہا ہے کہ ہر مبلغ خود بھی کربلا کو بطور اُسوہ اور نمونہ قبول کرے گا اور پوری قوم کو بھی کربلا کے شہدا کو بطور نمونہ عمل قبول کرنے کی تلقین وتاکید کرے گا۔

فلسفہ اور اسرار حج

آیت اللہ العظمیٰ مکارم شیرازی مدظلہ العالی

حج کے یہ عظیم الشان مناسک در اصل چار پہلو رکھتے ہیں، ان میں سے ہر ایک دوسرے سے اہم اور مفید تر ہے:

۱۔ حج کا اخلاقی پہلو:

حج کا سب سے مہم ترین فلسفہ یہی اخلاقی انقلاب ہے جو حج کرنے والے میں رونما ہوتا ہے، جس وقت انسان "احرام" باندھتا ہے تو ظاہری امتیازات، رنگ برنگ کے لباس اور زر و زیور جیسی تمام مادیات سے باہر نکال دیتا ہے، لذائذ کا حرام ہونا اور اصلاح نفس میں مشغول ہونا (جو کہ مُحرِم کا ایک فریضہ ہے) انسان کو مادیات سے دور کر دیتا ہے اور نور و پاکیزگی اور روحانیت کے عالم میں پہنچا دیتا ہے اور عام حالات میں خیالی امتیازات اور ظاہری افتخارات کے بوجھ کو اچانک ختم کر دیتا ہے جس سے انسان کو راحت اور سکون حاصل ہوتا ہے۔

اس کے بعد حج کے دوسرے اعمال یکے بعد دیگرے انجام پاتے ہیں، جن سے انسان، خدا سے لحظہ بہ لحظہ نزدیک ہوتا جاتا ہے اور خدا سے رابطہ مستحکم تر ہوتا جاتا ہے، یہ اعمال انسان کو گزشتہ گناہوں کی تاریکی سے نکال کر نور و پاکیزگی کی وادی میں پہنچا دیتے ہیں۔

حج کے تمام اعمال میں قدم قدم پر بت شکن ابراہیم، اسماعیل ذبیح اللہ اور ان کی مادر گرامی جناب ہاجرہ کی یاد تازہ ہوتی ہے جس سے ان کا ایثار اور قربانی انسان کی آنکھوں کے سامنے مجسم ہو جاتی ہے، اور

اس بات پر بھی توجہ کہ رہے سرزمین مکہ عام طور پر اور مسجد الحرام و خانہ کعبہ خاص طور پر پیغمبر اسلام ﷺ، ائمہ علیہم السلام اور صدر اسلام کے مسلمانوں کے جہاد کی یاد تازہ کر دیتے ہیں، چنانچہ یہ اخلاقی انقلاب عمیق تر ہو جاتا ہے گویا انسان مسجد الحرام اور سرزمین مکہ کے ہر طرف اپنے خیالات میں پیغمبر اکرم ﷺ، حضرت علی علیہ السلام اور دیگر ائمہ علیہم السلام کے نورانی چہروں کی زیارت کرتا ہے اور ان کی دل نشین آواز کو سنتا ہے۔

جی ہاں! یہ تمام چیزیں مل کر انسان کے دل میں ایک روحی اور اخلاقی انقلاب پیدا کر دیتی ہیں گویا انسانی زندگی کی ناگفتہ بہ حالت کے صفحہ کو بند کر دیا جاتا ہے اور اس کی بہترین زندگی کا نیا صفحہ کھل جاتا ہے۔

یہ بات بلاوجہ اسلامی روایات میں بیان نہیں ہوا ہے کہ "یُخْرِجُ مِنْ ذُنُوبِہِ کَھَیْئَتِہِ یَوم وُلِدَتْہُ أُمُّہُ!۔ حج کرنے والا اپنے گناہوں

سے اس طرح پاک ہو جاتا ہے جیسے ابھی شکم مادر سے پیدا ہوا ہو"۔(۔بحار الانوار، جلد۹۹، صفحہ ۲۶)

جی ہاں! حج مسلمانوں کے لئے ایک نئی پیدائش ہے جس سے انسان کی زندگی کا نیا دور شروع ہوتا ہے۔

البتہ یہ تمام آثار و برکات ان لوگوں کے لئے نہیں ہیں جن کا حج صرف ظاہری پہلو رکھتا ہے جو حج کی حقیقت سے دور ہیں، اور نہ ہی ان لوگوں کے لئے جو حج کو ایک سیر و تفریح سمجھتے ہیں یا ریاکاری اور سامان کی خرید و فروخت کے لئے جاتے ہیں، اور جنھیں حج کی حقیقت کا علم نہیں ہے، ایسے لوگوں کا حج میں وہی حصہ ہے جو انھوں نے حاصل کر لیا ہے۔

۲۔حج کا سیاسی پہلو:

ایک عظیم الشان فقیہ کے قول کے مطابق: حج در عین حال کہ خالص ترین اور عمیق ترین عبادت ہے، اس کے ساتھ اسلامی اغراض و مقاصد تک پہنچنے کے لئے بہترین وسیلہ ہے۔

روحِ عبادت، خدا پر توجہ کرنا، روحِ سیاست یعنی خلق خدا پر توجہ کرنا ہے اور یہ دونوں چیزیں حج کے موقع پر ایک دوسرے کے ساتھ متحد ہیں

حج مسلمانوں کی صفوں میں اتحاد کا بہترین سبب ہے۔حج نسل پرستی اور علاقائی طبقات کے فرق کو ختم کرنے کے لئے بہترین ذریعہ ہے۔

حج اسلامی ممالک میں فوجی ظلم و ستم کے خاتمہ کا وسیلہ ہے۔حج اسلامی ممالک کی سیاسی خبروں کو دوسرے مقامات تک پہنچانے کا وسیلہ ہے، خلاصہ یہ کہ حج؛ مسلمانوں پر ظلم و ستم اور استعمار کی زنجیروں کو کاٹنے اور مسلمانوں کو آزادی دلانے کا بہترین ذریعہ ہے۔

اور یہی وجہ ہے کہ حج کے موسم میں بنی امیہ اور بنی عباس جیسی ظالم و جابر حکومتیں اس موقع پر حجاج کی ملاقاتوں پر نظر رکھتی تھیں تاکہ آزادی کی تحریک کو وہیں کچل دیا جائے، کیونکہ حج کا موقع مسلمانوں کی آزادی کے لئے بہترین دریچہ تھا تاکہ مسلمان جمع ہو کر مختلف سیاسی مسائل کو حل کریں۔

حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام جس وقت فرائض اور عبادات کا فلسفہ بیان کرتے ہیں تو حج کے بارے میں فرماتے ہیں:

الحَجُّ تَقْوِيَةٌ لِلدِّين"(نہج البلاغہ، کلمات قصار ، نمبر ۲۵۲). خداوند عالم نے حج کو آئین اسلام کی تقویت کے لئے واجب قرار دیا ہے

بلا وجہ نہیں ہے کہ ایک غیر مسلم سیاست داں اپنی پُر معنی گفتگو میں کہتا ہے: وائے ہو مسلمانوں کے حال پر اگر حج کے معنی کو نہ سمجھیں اور وائے ہو اسلام کے دشمنوں پر کہ اگر حج کے معنی کو سمجھ لیں۔

یہاں تک اسلامی روایات میں حج کو ضعیف اور کمزور لوگوں کا جہاد قرار دیا گیا ہے اور ایک ایسا جہاد جس میں کمزور ضعیف مرد اور ضعیف عورتیں بھی حاضر ہو کر اسلامی شان و شوکت میں اضافہ کر سکتی ہیں، اور خانہ کعبہ میں نماز گزراوں میں شامل ہو کر تکبیر اور وحدت کے نعروں سے اسلامی دشمنوں کو خوف زدہ کر سکتے ہیں۔

۳۔ثقافتی پہلو:

مسلمانوں کا ایام حج میں دنیا بھر کے مسلمانوں سے ثقافتی رابطہ اور فکر و نظر کے انتقال کے لئے بہترین اور موثر ترین عامل ہو سکتا ہے۔

خصوصاً اس چیز کے پیش نظر کہ حج کا عظیم الشان اجتماع دنیا بھر کے مسلمانوں کی حقیقی نمائندگی ہے (کیونکہ حج کے لئے جانے والوں کے درمیان کوئی مصنوعی عامل موثر نہیں ہے، اور تمام قبائل، تمام زبانوں کے افراد حج کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ جیسا کہ اسلامی روایات میں بیان ہوا ہے کہ حج کے فوائد میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ اس کے ذریعہ پیغمبر اکرمؐ کی احادیث اور اخبار؛ عالم اسلام میں نشر ہوں۔

"ہشام بن حکم" حضرت امام صادق علیہ السلام کے اصحاب میں سے ہیں کہتے ہیں: میں نے امام علیہ السلام سے فلسفۂ حج اور طواف کعبہ کے بارے میں سوال کیا تو امام علیہ السلام نے فرمایا: "خداوند عالم نے ان تمام بندوں کو پیدا کیا ہے... اور دین و دنیا کی مصلحت کے پیش نظر ان کے لئے احکام مقرر کئے، ان میں مشرق و مغرب سے (حج کے لئے) آنے والے لوگوں کے لئے حج واجب قرار دیا تاکہ مسلمان ایک دوسرے کو اچھی طرح پہچان لیں اور اس کے حالات سے باخبر ہوں، ہر گروہ ایک شہر سے دوسرے شہر میں تجارتی سامان منتقل کرے... اور پیغمبر اکرمؐ کی احادیث و آثار کی معرفت حاصل ہو اور حجاج ان کو ذہن نشین کرلیں ان کو کبھی فراموش نہ کریں،]اور دوسروں تک پہونچائیں۔ (وسائل الشیعہ، جلد۸، صفحہ ۹)

اسی وجہ سے ظالم و جابر خلفاء اور سلاطین؛ مسلمانوں کو ان چیزوں کے نشر کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے، وہ خود اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی مشکلوں کو دور کرتے تھے اور ائمہ معصومین علیہم السلام اور بزرگ علمائے دین سے ملاقات کرکے قوانین اسلامی اور سنت پیغمبر پر پردہ ڈالتے تھے۔

اس کے علاوہ حج؛ عالمی پیمانہ پر ایک عظیم الشان کانفرنس کا نام ہے جس میں دنیا بھر کے تمام مسلمان مکہ معظمہ میں جمع ہوتے ہیں اور اپنے افکار اور ابتکارات کو دوسرے کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

اصولی طور پر ہماری سب سے بڑی بدبختی یہ ہے کہ اسلامی ممالک کی سرحدوں نے مسلمانوں کی ثقافت میں جدائی ڈال دی ہے، ہر ملک کا مسلمان صرف اپنے بارے میں سوچتا ہے، جس سے اسلامی معاشرہ کی وحدت نیست و نابود ہوگئی ہے، لیکن حج کے ایام میں اس اتحاد اور اسلامی ثقافت کا مظاہرہ کیا جاسکتا ہے۔

چنانچہ حضرت امام صادق علیہ السلام نے کیا خوب فرمایا ہے (اسی ہشام بن حکم کی روایت کے ذیل میں): جن قوموں نے صرف اپنے ملک، شہروں اور اپنے یہاں درپیش مسائل کی گفتگو کی تو وہ ساری قومیں نابود ہوجائیں گی اور ان کے ملک تباہ و برباد اور ان کے منافع ختم ہوجائیں گے اور ان کی حقیقی خبریں پشتِ پردہ رہ جائیں گی۔ (وسائل الشیعہ، جلد۸، صفحہ ۹)

۴۔ حج کا اقتصادی پہلو: بعض لوگوں کے نظریہ کے برخلاف؛ حج کا موسم اسلامی ممالک کی اقتصادی بنیاد کو مستحکم بنانے کے لئے نہ صرف "حقیقتِ حج" سے کوئی منافات نہیں رکھتا بلکہ اسلامی روایات کے مطابق؛ حج کا ایک فلسفہ ہے۔

اس میں کیا حرج ہے کہ اس عظیم الشان اجتماع میں اسلامی مشترک بازار کی بنیاد ڈالیں اور تجارتی اسباب و وسائل کے سلسلہ میں ایسا قدم اٹھائیں جس سے دشمن کی جیب میں پیسہ نہ جائے اور نہ ہی مسلمانوں کا اقتصاد دشمن کے ہاتھوں میں رہے، یہ دنیا پرستی نہیں ہے بلکہ عین عبادت اور جہاد ہے۔

ہشام بن حکم کی اسی روایت میں حضرت امام صادق علیہ السلام نے حج کے فلسفہ کو بیان کرتے ہوئے صاف صاف اس موضوع کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مسلمانوں کی تجارت کو فروغ دینا اور اقتصادی تعلقات میں سہولت قائم کرنا؛حج کے اغراض و مقاصد میں سے ہے۔

حضرت امام صادق علیہ السلام سے سورہ بقرہ کی آیۂ شریفہ ۱۹۸(لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ)

یعنی؛ تمہارے لئے کوئی حرج نہیں ہے کہ اپنے پرودگار کے فضل وکرم کو تلاش کرو۔

کے ذیل میں بیان ہوا ہے کہ آپ نے فرمایا: اس آیت سے مراد کسب روزی ہے،" فاذااحل الرجل من احرامہ و قضی فلیشتر ولیبع فی الموسم " جس وقت انسان احرام سے فارغ ہو جاتا ہے اور مناسکِ حج کو انجام دے لیتا ہے تو اسی موسم حج میں خرید و فروخت کرے اور یہ چیز نہ صرف حرام نہیں ہے بلکہ اس میں ثواب بھی ہے۔

اور حضرت امام رضا علیہ السلام سے منقول فلسفۂ حج کے بارے میں ایک تفصیلی حدیث کے ذیل میں یہی معنی بیان ہوئے ہیں جس کے آخر میں ارشاد ہوا ہے: لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُم۔(بحار الانوار، جلد ۹۹، صفحہ ۳۲)

آیۂ شریفہ" لیشھدوا منافع لھم "معنوی منافع کو بھی شامل ہوتی ہے اور مادی منافع کو بھی، لیکن ایک لحاظ سے دونوں معنوی منافع ہیں۔

مختصر یہ کہ اگر اس عظیم الشان عبادت سے صحیح اور کامل طور پر استفادہ کیا جائے، اور خانہ خدا کے زائرین ان دنوں میں جبکہ وہ اس مقدس سرزمین پر بڑے جوش و جذبہ کے ساتھ حاضر ہیں اور ان کے دل آمادہ ہیں تو اسلامی معاشرہ کی مختلف مشکلات دور کرنے کے لئے سیاسی، ثقافتی اور اقتصادی کانفرنس کے ذریعہ فائدہ اٹھائیں، یہ عبادت ہر پہلو سے مشکل کشا ہو سکتی ہے، اور شاید اسی وجہ سے حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: " لایزال الدین قائما ما قامت الکعبۃ "(وسائل الشیعہ،، جلد ۸، صفحہ ۱۴)."جب تک خانہ کعبہ باقی ہے اس وقت تک اسلام بھی باقی رہے گا"۔

اور اسی طرح حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: خانہ خدا کو نہ بھلائو کہ اگر تم نے اسے بھلا دیا تو ہلاک ہو جائو گے،" اللہ اللہ فِی بَیتِ ربّکم لاتَخْلُوهُ مَا بَقِيتُمْ فَنّہُ نْ تَرکَ لَم تَنَاظَرُوا "(خدا کے لئے تمہیں خانہ خدا کے بارے میں تلقین کرتا ہوں اس کو خالی نہ چھوڑنا، اور اگر تم نے چھوڑ دیا تو مہلت الٰہی تم سے اٹھالی جائے گی۔

اور اس موضوع کی اہمیت کے پیش نظر اسلامی روایات میں ایک فصل اس عنوان سے بیان کی گئی کہ اگر ایک سال ایسا آجائے کہ مسلمان حج کے لئے نہ جائیں تو اسلامی حکومت پر واجب ہے کہ مسلمانوں کو مکہ معظمہ جانے پر مجبور کرے۔

حج، ایک اہم انسان ساز عبادت ہے:

حج کا سفر دراصل بہت عظیم ہجرت ہے، ایک الٰہی سفر ہے اور اصلاح نیز جہاد اکبر کا وسیع میدان ہے۔

اعمال حج؛ حقیقت میں ایک ایسی عبادت ہے جس میں جناب ابراہیم اور ان کے بیٹے جناب اسماعیل اور ان کی زوجہ حضرت ہاجرہ کی

قربانیوں اور مجاہدت کی یاد تازہ ہوتی ہے، اور اگر ہم اسرار حج کے بارے میں اس نکتہ سے غافل ہو جائیں تو بہت سے اعمال ایک معمہ بن کر رہ جائیں گے، جی ہاں! اس معمہ کو حل کرنے کی کنجی انھیں عمیق مطالب پر توجہ دینا ہے۔

جس وقت ہم سر زمین منیٰ کی قربانگاہ میں جاتے ہیں تو تعجب کرتے ہیں، یہ اس قدر قربانی کس لئے؟ کیا حیوانات کی قربانی عبادت ہو سکتی ہے؟!

لیکن جس وقت قربانی کے ساتھ ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یاد کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنے نور نظر، پارہ جگر اور اپنے ہر دل عزیز بیٹے کو راہ خدا میں قربان کر دیا، جو ایک سنت ابراہیمی بن گیا اور منی میں اس یاد میں قربانی ہونے لگی تو اس کام کا فلسفہ سمجھ میں آجاتا ہے۔

قربانی کرنا خدا کی راہ میں تمام چیزوں سے گزرنے کا راز ہے، قربانی کرنا یعنی اس بات کا ظاہر کرنا ہے کہ اس کا دل غیر خدا سے خالی ہے، حج کے اعمال سے اسی وقت ضروری مقدار میں تربیتی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے جب ذبح اسماعیل اور قربانی کے وقت اس باپ کے احساسات کو مد نظر رکھا جائے، اور وہی احساسات ان کے اندر جلوہ گر ہو جائیں۔

جس وقت ہم "جمرات" کی طرف جاتے ہیں یعنی وہ تین مخصوص پتھر جن پر حجاج کو کنکری مارنا ہوتی ہیں، اور ہر بار سات کنکر مارنا ہوتی ہیں تو ہمارے سامنے یہ سوال پیش آتا ہے کہ اس مجسمہ پر سنگ باری کا کیا مقصد ہے؟ اور اس سے کیا مشکل حل ہو سکتی ہے؟ لیکن جس وقت ہم یاد کرتے ہیں کہ یہ سب بت شکن قہرمان جناب ابراہیم علیہ السلام کی یاد ہے، آپ کی راہ میں تین بار شیطان آیا تا کہ آپ کو اس عظیم "جہاد اکبر" سے روک دے یا شک و شبہ میں مبتلا کر دے لیکن ہر بار توحید کے علمبردار نے شیطان کو پتھر مار کر دور بھگا دیا، لہٰذا اگر اس واقعہ کو یاد کریں تو پھر "رمی جمرات" کا مقصد سمجھ میں آجاتا ہے۔

رمی جمرات کا مقصد یہ ہے کہ ہم سب جہاد اکبر کے موقع پر شیطانی وسوسوں سے روبرو ہوتے ہیں اور جب تک ان کو سنگسار نہ کریں گے اور اپنے سے دور نہ بھگائیں گے تو اس پر غالب نہیں ہو سکتے۔

اگر تمھیں اس بات کی امید ہے کہ خداوندعالم نے جس طرح جناب ابراہیم علیہ السلام پر درود و سلام بھیجا اور ان کی یاد کو ہمیشہ کے لئے باقی رکھا ہے اگر تم بھی یہ چاہتے ہو کہ وہ تم پر نظر رحمت کرے تو پھر راہ ابراہیم پر قدم بڑھاؤ۔

یا جس وقت "صفا" اور "مروہ" پر جاتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ حجاج گروہ در گروہ ایک چھوٹی پہاڑی سے دوسری چھوٹی پہاڑی پر جاتے ہیں، اور پھر وہاں سے اسی پہاڑی پر واپس آجاتے ہیں، اور پھر اسی طرح اس عمل کی تکرار کرتے ہیں، کبھی آہستہ چلتے ہیں تو کبھی دوڑتے ہیں، واقعاً تعجب ہوتا ہے کہ یہ کیا ہے؟! اور اس کا مقصد کیا ہے؟!

لیکن جب ایک نظر اس با ایمان خاتون حضرت ہاجرہ کے واقعہ پر ڈالتے ہیں جو اپنے شیر خوار فرزند اسماعیل کی جان کے لئے اس بے آب و گیاہ بیابان میں اس پہاڑی سے اس پہاڑی پر جاتی ہیں، اس واقعہ کو یاد کرتے ہیں کہ خداوندعالم نے حضرت ہاجرہ کی سعی و کوشش کو کس طرح منزل مقصود تک پہنچایا اور اور ان کے نو مولود بچہ کے پیروں کے نیچے چشمۂ زمزم جاری کیا، تو اچانک زمانہ پیچھے ہٹتا دکھائی دیتا ہے اور پردے ہٹ جاتے ہیں اور ہم اپنے کو جناب ہاجرہ کے پاس دیکھتے ہیں اور ہم بھی ان کے ساتھ سعی و کوشش میں مشغول ہو جاتے ہیں کہ راہ خدا میں سعی و کوشش کے بغیر منزل نہیں مل سکتی!

قارئین کرام! ہماری مذکورہ گفتگو کے ذریعہ آسانی کے ساتھ یہ نتیجہ حاصل کیا جاسکتا ہے کہ "حج" کو ان اسرار و رموز کے ذریعہ تعلیم دیا جائے اور جناب ابراہیم، ان کی زوجہ اور ان کے فرزند اسماعیل کی یاد کو قدم قدم پر مجسم بنایا جائے تاکہ اس کے فلسفہ کو سمجھ سکیں، اور حجاج کے دل و جان میں حج کی اخلاقی تاثیر جلوہ گر ہو، کیونکہ ان آثار کے بغیر حج کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

قرآن اور تبلیغ (۶)

مبلّغ کی صفات (۱)

حجۃ الاسلام والمسلمین شیخ محسن قرائتی

۱۔ آگاہی

مبلغ اسی صورت میں لوگوں کو حق کی طرف دعوت دے سکتا ہے جب وہ خود حق سے آگاہ ہو اور اسی آگاہی کی بنیاد پر لوگوں کو دین کی طرف دعوت دے۔ " قُلْ هَـٰذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي" [1]یعنی ؛(اے حبیبؐ) فرما دیجئے: یہی میری راہ ہے، میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، پوری بصیرت پر (قائم) ہوں، میں (بھی) اور وہ شخص بھی جس نے میری اتباع کی۔

حضرت خضر علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تعلیم دینے پر مامور کئے گئے تھے، اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لئے پہلے اُنہیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے آگاہی اور تعلیم سے بہرہ مند کیا گیا تھا۔" وَعَلَّمْنَاهُ مِن لَّدُنَّا عِلْمًا " [2]یعنی اور ہم نے اسے علم لدنی (اسرار و معارف کا الہامی علم) سکھایا تھا۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے جاہل اور ناآگاہ لوگوں کی پیروی کرنے سے منع فرمایاہے:"ولا تتّبع اھوا ء الذّین لایَعلمون " [3]یعنی جو لوگ نہیں جانتے اُن کی خواہشات کی پیروی مت کرو۔ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں :"لاخیرفی القول بالجھل " [4](جاہلانہ بات میں کسی قسم کی بھلائی نہیں ہے)۔ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں :"لاتقل مالاتعلم فتتھم باخبارک بما تعلم " [5]یعنی جو کچھ نہیں جانتے وہ مت کہو چونکہ اس طرح تیری سچی باتیں بھی جھوٹی سمجھی جائیں گی اور لوگ تیری تمام باتوں کا شک و تردید کی نگاہ سے دیکھنے لگیں گے۔

۲۔ مقصد پر ایمان

مبلغ کو اسی طرح اپنے مقصد پر ایمان رکھنا چاہیے کہ جس طرح پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایمان تھا کہ جب آپؐ کی ایک ہتھیلی پر سورج اور دوسری پر چاند رکھا جانے لگا [6]تو تب بھی آپؐ نے اپنے مقصد سے ہاتھ نہیں کھینچا اور حضرت خضر علیہ السلام کی طرح بھوک وپیاس میں بھی اپنی رسالت کی ذمہ داری انجام دیتے رہے۔

---

[1] ۔سورۂ یوسف، ۱۰۸

[2] ۔سورۂ کھف، ۶۵

[3] ۔سورۂ جاثیہ، ۱۸

[4] ۔نہج البلاغہ، فیض الاسلام، ص ۱۱۷۱

[5] ۔غرر الحکم ودرالکلم، حدیث: ۲۷۴

[6] ۔السیرۃ النبویۃ لابن ہشام، ج ۱، ص ۲۸۵

" اسْتَطْعَمَا أَهْلَهَا فَأَبَوْا أَن يُضَيِّفُوهُمَا فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُرِيدُ أَنْ يَنقَضَّ فَأَقَامَهُ " [7]یعنی؛حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام بھوک وپیاس کی حالت میں ایک بستی میں داخل ہوئے،لوگوں سے کھانا طلب کیا تو اُنہوں نے ان دونوں کی میزبانی سے انکار کر دیا۔ پھر ان دونوں نے وہاں ایک دیوار دیکھی جو گرنے والی تھی تو حضرت خضرؑ نے دیوار کو سیدھا کر دیا اور لوگوں کی بے وفائی نے اُن کے ارادے کو کمزور نہیں کیا۔

عیسائی علماء کے ساتھ رسول خدا ﷺ کا مباہلہ آپؐ کے بلند مرتبہ ایمان کی علامت ہے کہ جب آپؐ نے دشمنان خدا سے فرمایا:" تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنفُسَنَا وأَنفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ " [8]یعنی؛ آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلاتے ہیں تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ، ہم اپنی عورتوں کو بلاتے ہیں تم اپنی عورتوں کو بلاؤ اور ہم اپنے نفسوں کو بلاتے ہیں تم اپنے نفسوں کو بلاؤ پھر مباہلہ کریں گے (اور ایک دوسرے کے حق میں بد دعا کرتے ہیں) اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت کریں گے۔

۳۔پیش قدمی

مبلّغ دوسروں کا رہبر اور رہنما ہوتا ہے لہذا اُسے ہر کام میں پیش قدم ہونا چاہیے اور دوسروں کو تعلیم دینے سے پہلے اپنی تعلیم وتربیت پر توجہ دے:" من نصب نفسہ اماماً للناس فعلیہ ان یبدأ بتعلیم نفسہ قبل تعلیم غیرہ "[9]

اُسے چاہیے کہ لوگوں کو اچھے کاموں کا حکم دینے سے پہلے خود وہی کام انجام دے اور بُرے کاموں سے روکنے سے پہلے خود اُن کاموں کو ترک کر دے چونکہ یہ انبیائے الٰہی کی صفات میں سے ہے:

" وَمَا أُرِيدُ أَنْ أُخَالِفَكُمْ إِلَى مَا أَنْهَاكُمْ عَنْهُ إِنْ أُرِيدُ إِلاَّ الإِصْلاَحَ مَا اسْتَطَعْتُ " [10]یعنی؛ میں یہ نہیں چاہتا کہ تمہارے پیچھے لگ کر (حق کے خلاف) خود وہی کچھ کرنے لگوں جس سے میں تمہیں منع کر رہا ہوں، میں تو جہاں تک مجھ سے ہو سکتا ہے (تمہاری) اصلاح ہی چاہتا ہوں۔

۴۔اخلاص

عمل میں اخلاص مبلّغ کی کامیابی کا راز ہے چونکہ تاثیر عطا کرنے والی ذات فقط خداوند متعال ہی ہے۔ اگر اللہ کی خاطر تبلیغ کی جائے تو اس کا دلوں پر اثر ہوگا۔ تبلیغ میں اخلاص حضرت نوح، حضرت صالح، حضرت ہود، حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہم السلام اور خاتم المرسلین حضرت محمد ﷺ جیسے تمام انبیائے الٰہی کا شیوہ تھا، جو لوگوں سے کہتے تھے:"وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ " [11] یعنی؛ اور میں تم سے اس (تبلیغِ حق) پر کوئی معاوضہ نہیں مانگتا، میرا اجر تو صرف سب جہانوں کے ربّ کے ذمہ ہے۔

جیسا کہ اہل بیت اطہار علیہم السلام نے یتیم، اسیر اور مسکین کو اطعام کے واقعے میں فرمایا ہے: " لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَلَا

[7]۔ سورۂ کہف،۷۷

[8]۔ سورۂ آل عمران،۶۱

[9]۔ بحار الانوار، طبع بیروت (مؤسسۃ الوفاء) ج۲، ص۵۶

[10]۔ سورۂ ہود،۸۸

[11]۔ سورۂ شعراء،۱۰۹

شُکُورًا "[12] یعنی (اور کہتے ہیں کہ ہم تو محض اللہ کی رضا کے لئے تمہیں کھلا رہے ہیں)، نہ تم سے کسی بدلہ کے خواست گار ہیں اور نہ شکر گزاری کے (خواہش مند) ہیں۔

اگر مبلّغ لوگوں کو خوش کرنے اور اُن کے شکر گذار ہونے کے لئے کوئی قدم اُٹھاتا ہے تو لوگوں کی طرف سے بے اعتنائی اور عدم توجہ کے وقت اُسے بہت زیادہ صدمہ پہنچتا ہے اور یہ بات اس کے لئے بہت سخت ہوتی ہے۔ لیکن اگر شروع ہی سے اُس کی نیت اللہ تعالیٰ کی رضایت حاصل کرنا ہو تو لوگوں کی بے اعتنائی اور ناشکری اُس پر اثر انداز نہیں ہو گی۔ بنابریں جب وہ اللہ کی خاطر تبلیغ کرتا ہے تو اُسے اپنی زحمتوں کی وجہ سے لوگوں پر اور اللہ پر احسان نہیں جتانا چاہیے کیونکہ:" وَمَن جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ " [13]یعنی؛ جو شخص (راہِ حق میں) جد وجہد کرتا ہے وہ اپنے ہی (نفع کے) لئے تگ ودو کرتا ہے، بیشک اللہ تمام جہانوں (کی طاعتوں، کوششوں اور مجاہدوں) سے بے نیاز ہے۔

مبلّغ میں اگر عزت نفس نہیں ہو گی تو وہ ادھر اُدھر نظر رکھے گا اور دوسروں کے مقاصد کے لئے تبلیغ کرے گا جس کا نتیجہ ایسے لوگوں کی مدح وستایش ہو گی جو اُسے کچھ عطا کرتے ہوں گے اور جو عطا نہیں کریں گے، اُن کی وہ مذمت وسرزنش کرے گا:"فاتتن بحمد من اعطانی وابتلی بذمّ من منعنی " [14] اسی طرح مناجات شعبانیہ میں آیا ہے:"بید ک لابیدغیرک زیادتی ونقصی

"یعنی اے خدا! میری زندگی میں کمی وزیادتی تیرے ہاتھ میں ہے نہ کسی اور کے ہاتھ میں۔

۵۔عدل اور حب وبغض سے دوری

مبلّغ کو ہر قسم کے حب وبغض سے دور رہتے ہوئے تبلیغ کرنی چاہیے اور اس مقدس فریضہ کو اپنے ذاتی مفاد سے بچانا چاہیے؛
" يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ كُونُواْ قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلّهِ وَلَوْ عَلَى أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالأَقْرَبِينَ إِن يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللّهُ أَوْلَى بِهِمَا "یعنی اے ایمان والو! تم انصاف پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے والے (محض) اللہ کے لئے گواہی دینے والے ہو جاؤ خواہ (گواہی) خود تمہارے اپنے یا (تمہارے) والدین یا (تمہارے) رشتہ داروں کے ہی خلاف ہو، اگرچہ (جس کے خلاف گواہی ہو) مالدار ہے یا محتاج، اللہ ان دونوں کا (تم سے) زیادہ خیر خواہ ہے۔

مبلّغ کو اپنے اپنے قول وفعل اور دوسروں کے بارے میں اپنے مؤقف اور رویوں میں عدل وانصاف سے کام لینا چاہیے اور اُصول وضوابط کو روابط اور تعلقات پر قربان نہیں کرنا چاہیے۔ غیر مستحق کے سلسلے میں کسی قسم کا امتیازی سلوک نہیں برتنا چاہیے خواہ وہ اُس کا قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ جیسا قرآن مجید کا ارشاد ہے :" وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُواْ "[15]یعنی؛جب بھی کوئی بات کرو تو عدل وانصاف کی بات کرو۔

فقط بات کرنے میں ہی عدل وانصاف نہیں کرنا چاہیے بلکہ تمام کاموں میں حتیٰ دوسروں کی طرف نگاہ کرنے میں بھی انصاف سے کام لینا

[12]۔ سورۂ انسان، ۹

[13]۔ سورۂ عنکبوت، ۷

[14]۔ مفاتیح الجنان، دعائے مکارم الاخلاق

[15]۔ سورۂ انعام، ۱۵۲

چاہیے؛"كان رسول الله يقسّم لحظاته بين اصحابه فينظر الى ذا وينظر الى ذا بالسّويه "
یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی نگاہیں تک اپنے اصحاب کے درمیان برابر تقسیم کی ہوئی تھیں اور کبھی ایک طرف نگاہ کرتے تھے اور کبھی دوسرے کی طرف۔[16]

ایک باانصاف انسان پوری جرائت اور شجاعت کے ساتھ اعلان کر دیتا ہے کہ دوسروں میں جو خوبی ہے وہ مجھ میں نہیں۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا: میرا بھائی ہارونؑ مجھ سے زیادہ فصیح ہے:"وَأَخِي هَارُونُ هُوَ أَفْصَحُ مِنِّي لِسَانًا "[17]

بعض لوگ دوستیوں اور تعلقات کی وجہ سے حق کو پامال کر دیتے ہیں اور بعض لوگ حق کے راستے میں دوستیوں کی پرواتک نہیں کرتے اور یہی عمل زیادہ فضیلت وارزش رکھتا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام نے اپنی شہادت سے پہلے اپنی اولاد کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا تھا:"وقولا بالحق "[18]

جب مبلّغ کو پتا چل جائے کہ فلاں شخص دشمن خدا ہے اور قابل ہدایت نہیں تو فوراً اس سے دور ہو جائے خواہ وہ اُس کا قریبی ترین رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا تھا:" فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ "[19]یعنی؛ جب حضرت ابراہیمؑ کو پتا چلا کہ وہ (اُن کا چچا) خدا کا دشمن ہے تو فوراً اس سے دور ہو گئے۔

" وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ إِنَّنِي بَرَاءٌ مِمَّا تَعْبُدُونَ "[20]یعنی؛ اور جب ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے (حقیقی چچا مگر پرورش کی نسبت سے) باپ اور اپنی قوم سے فرمایا: بیشک میں اُن سب چیزوں سے بیزار ہوں جنہیں تم پوجتے ہو۔

اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام نے بھی حکم الٰہی کے بعد اپنے بیٹے سے دوری اختیار کرلی:" قَالَ يَا نُوحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ "[21]اور حضرت لوط علیہ السلام اپنی بیوی کے عذاب پر راضی تھے:" فَأَنْجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلاَّ امْرَأَتَهُ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ "جیسا کہ قرآن مجید رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا کے بارے میں فرماتا ہے:"تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ "[22]یعنی؛ ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ تباہ ہو جائے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد اپنے چچا کی توقع کے برخلاف کعبہ کی چابیاں "عثمان بن طلحہ" کے سپرد کر دیں تھیں اور اُس وقت آپؐ اس آیت کی تلاوت کر رہے تھے:" بیشک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں انہی لوگوں کے سپرد کرو جو ان کے اہل ہیں، اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کیا کرو "[23]

---

[16]۔ بحار الانوار، ج۱۶، ص۲۶۰ (طبع بیروت)
[17]۔ سورۂ قصص، ۳۴
[18]۔ نہج البلاغہ، صبحی صالح، مکتوب: ۴۷
[19]۔ سورۂ توبہ، ۱۱۴
[20]۔ سورۂ زخرف، ۲۶
[21]۔ سورۂ ھود، ۴۶
[22]۔ سورۂ اللھب، ۱
[23]۔ سورۂ نساء، ۵۸

نہ فقط دوستی کی خاطر بلکہ دشمنوں کے بارے میں بھی حق وانصاف کو فراموش نہیں کرنا چاہیے: لاَ يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلاَّ تَعْدِلُواْ اعْدِلُواْ هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى "[24]یعنی؛کسی قوم کی سخت دشمنی (بھی) تمہیں اس بات پر برانگیختہ نہ کرے کہ تم (اس سے) عدل نہ کرو۔ عدل کیا کرو (کہ) وہ پرہیز گاری سے نزدیک تر ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں بعض اہل کتاب کی اچھی صفات کی تعریف کرتا ہے اور بعض مسلمانوں کی بُری صفات پر تنقید کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول گرامی ﷺ سے فرماتا ہے کہ اپنے مخالفین کو کہو کہ وہ اپنی دلیل اور برہان پیش کریں "قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ "[25]یعنی مبلّغ کو عقل ومنطق کے مطابق کام کرنا چاہیے اور دوسروں کے ساتھ ذاتی اغراض اور کینے کی بناپر سلوک نہیں کرنا چاہیے۔ جیسا کی فتح مکہ کے بعد رسول خدا ﷺ نے اپنے تمام دشمنوں کو معاف کردیا تھااور اہل قریش کی چند سالہ اذیت وآزار حق پرستی اور رضائے الٰہی کے راستے میں رکاوٹ نہیں بن سکی۔ حضرت علی علیہ السلام نے جنگ صفین میں اپنے دشمن کو پانی[26] اور بستر شہادت پر اپنے قاتل کو دودھ پلایا۔[27] حق پرستی ایک حقیقی مسلمان کی صفات میں سے ہے لہٰذا ایک مبلّغ کو اس وجہ سے حق بات کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ اُس کا دشمن حق بات کہہ رہا ہے :" فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ "[28]یعنی میرے بندوں کو بشارت دو کہ جو بات کو سنتے ہیں اور اس میں سے بہترین بات کی پیروی کرتے ہیں۔ ایک عالم دین کہتے ہیں کہ میں نے ساواک کے قید خانے میں ایک خبیث ترین ساواکی سے ایک جملہ سنا جو میرے لئے ہر درس اخلاق سے زیادہ مفید ثابت ہوا چونکہ میرے گھر والے میری گرفتاری سے بے خبر تھے جس کی وجہ سے میں بہت پریشان تھا کہ وہ کس حال میں ہوں گے۔ مجھے اذیت وآزار دینے کے بعد وہ ساواکی پولیس افسر میرے پاس آیا اور پوچھنے لگا: کیا اس اذیت اور مارپیٹ کی وجہ سے پریشان ہو؟ میں نے کہا: نہیں! بلکہ اپنے گھر والوں کی وجہ سے پریشان ہوں۔ اس نے کہا: کیا تم اُن کے ذمہ دار ہو؟ تو پھر خدا کس کام کے لئے ہے۔ کیا جب آزاد تھے اور قید خانے سے باہر تھے تو اس وقت بھی تم ہی اُن کی سرپرستی کر رہے تھے؟

۶۔ شرح صدر اور استقامت

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب ایک مبلّغ کی حیثیت سے فرعون کی ہدایت اور لوگوں کو آگاہ کرنے کے لئے،اُن کی طرف جارہے تھے ،تو اس وقت اپنے پروردگار سے سینے کی کشادگی اور سختیوں کو برداشت کرنے کی دعا کی کیونکہ یہ صفت (شرح صدر) ایک مبلّغ کے لئے بہت ضروری ہے :" رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي "یعنی اے میرے رب! میرے لئے میرا سینہ کشادہ فرمادے،اور میرا کارِ (رسالت) میرے لئے آسان فرمادے۔

---

[24]۔ سورۂ مائدہ،۸

[25]۔ سورۂ نمل،۶۴

۔ ناسخ التواریخ ج۲،ص۱۰۱

[27]۔ منتھی الامال،حالات امام علیؑ

[28]۔ سورۂ زمر،۱۸،۱۷

مبلّغ کو جاننا چاہیے کہ اُس کے مخاطبین ایک جیسے نہیں ہیں، بعض زبان سے تو ایمان لے آتے ہیں لیکن قلبی ایمان نہیں رکھتے اور کفر کی دوڑ میں ایک دوسرے پر سبقت لینے کی سعی کرتے ہیں۔ اس لئے مبلّغ کو پریشان نہیں ہونا چاہیے کیونکہ خداوند متعال اپنے رسول گرامی صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَآلِهِ وَسَلَّم کو تسلی دیتے ہوئے فرماتا ہے:" يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ لاَ يَحْزُنكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِينَ قَالُواْ آمَنَّا بِأَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِن قُلُوبُهُمْ "[29]

ایک ایماندار مبلّغ لوگوں کی طرف سے زخم زبان اور طعنوں سے پریشان نہیں ہوتا بلکہ صبر کرتا ہے اور جانتا ہے کہ عزت تو فقط اللہ کے لئے ہے اور سننے والا اور (ہر چیز سے) آگاہ ہے:" وَلاَ يَحْزُنكَ قَوْلُهُمْ إِنَّ الْعِزَّةَ لِلّهِ جَمِيعًا هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ "[30] وہ اولیائے الٰہی کی مانند دشمنوں اور جاہلوں کی تہمتوں کا جواب بہت ہی سکون، اطمینان کے ساتھ اور منطقی انداز میں دیتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام سے کہا گیا:"إِنَّا لَنَرَاكَ فِي ضَلاَلٍ مُّبِينٍ "[31]یعنی اے نوح! ہم تمہیں واضح گمراہی میں دیکھتے ہیں۔ حضرت نوحؑ نے اُن کے جواب میں فرمایا:" قَالَ يَا قَوْمِ لَيْسَ بِي ضَلاَلَةٌ وَلَكِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ "[32]یعنی ؛انہوں نے کہا: اے میری قوم! مجھ میں کوئی گمراہی نہیں لیکن (یہ حقیقت ہے کہ) میں تمام جہانوں کے رب کی طرف سے رسول (مبعوث ہوا) ہوں۔

قومِ عاد کے پیغمبر حضرت ھود علیہ السلام سے کہا گیا:" إِنَّا لَنَرَاكَ فِي سَفَاهَةٍ وَإِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكَاذِبِينَ "[33]یعنی ؛(اے ہود!) بیشک ہم تمہیں حماقت (میں مبتلا) دیکھتے ہیں اور بیشک ہم تمہیں جھوٹے لوگوں میں گمان کرتے ہیں۔

حضرت ھود علیہ السلام نے فرمایا:" قَالَ يَا قَوْمِ لَيْسَ بِي سَفَاهَةٌ وَلَكِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ "[34]یعنی؛اے میری قوم! مجھ میں کوئی حماقت نہیں لیکن (یہ حقیقت ہے کہ) میں تمام جہانوں کے رب کی طرف سے رسول (مبعوث ہوا) ہوں۔

ہاں! جس نے انبیائے الٰہی کے راستے پر چلنا ہے تو اُسے اُنہی کی طرح صابر ہونا چاہیے اور تہمتوں ،افواؤں ،دشمنوں کے جھوٹے پروپیگنڈے کی وجہ سے اپنا تبلیغی مورچہ نہیں چھوڑنا چاہیے ؛" فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُوْلُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ "[35]

آیت اللہ العظمٰی بروجردیؒ کے زمانے میں اُن کی طرف سے ایک نمائندہ تبلیغ کے لئے ایران کے ایک شہر طرف بھیجا گیا۔ کچھ ہی عرصے بعد اُس کی واضح تبلیغی فعالیت کی وجہ سے دشمنان دین نے اُس پر تہمتوں اور جھوٹے پروپیگنڈے کے ذریعے زمین تنگ کر دی تا کہ وہ وہاں سے فرار ہو جائے۔ اُس عالم دین نے اعلان کیا کہ فلاں دن ایک اہم جلسہ ہو گا جس میں وہ اپنا آخری موقف بیان کرے گا۔ دوست و دشمن سمجھے کہ یہ اُن کی آخری تقریر ہو گی جس میں وہ سب

---

[29]۔ سورۂ مائدہ، ۴۱

[30]۔ سورۂ یونس، ۶۵

[31]۔ سورۂ اعراف، ۶۰

[32]۔ سورۂ اعراف، ۶۱

[33]۔ سورۂ اعراف، ۶۶

[34]۔ سورۂ اعراف، ۶۷

[35]۔ سورۂ احقاف، ۳۵

کو خدا حافظ کہیں گے۔ جس کی وجہ سے سب لوگ جمع ہو گئے۔ جب وہ منبر پر گئے تو کہا:

اے لوگو! اگر میرے پیچھے کہا گیا کہ فلاں شخص جاگیر اداروں، خوانین اور سرمایہ داروں سے تعلقات رکھتا ہے تو یقین کر لیں اور اگر کسی نے کہا کہ فلاں نماز نہیں پڑھتا تو بھی یقین کر لیں۔ اسی طرح کسی نے کہا کہ فلاں شخص اہل فساد اور فحشا ہے تو بھی مان لیں۔۔۔ لیکن اگر کسی نے کہا کہ وہ اس شہر سے جانا چاہتا ہے تو یہ بات کسی بھی صورت قبول نہ کرنا۔ کیونکہ میں آخری دم تک اپنے اس تبلیغی مورچے میں رہوں گا۔

جو مبلّغ رسول خدا ﷺ کا پیروکار ہے وہ اپنے رہبر کی طرح استقامت دکھانے پر مأمور کیا گیا ہے :" فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرتَ "[36]

کبھی کبھار دین کے راستے میں تبلیغ کی وجہ سے انسان کو قید وبند ،اذیت وآزار اور جلاوطنی جیسے مشکلات بھی دیکھنی پڑتی ہیں۔ جیسا کہ قوم لوط نے اپنے انبیاء کو جلاوطن کرنے کا ارادہ کر لیا تھا:" وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلاَّ أَن قَالُواْ أَخْرِجُوهُم مِّن قَرْيَتِكُمْ "[37] حضرت شعیبؑ کی قوم نے اُن سے کہا: ہم تجھے اور تیرے پیروکاروں کو شہر سے نکال دیں گے :" لَنُخْرِجَنَّكَ يَا شُعَيْبُ وَالَّذِينَ آمَنُواْ مَعَكَ مِن قَرْيَتِنَا "[38]

اولیائے الٰہی کے اہم صفات میں سے ایک تہمتوں اور توہین کے مقابلے میں صبر و تحمل سے کام لینا تھا۔

رسول خدا ﷺ کو مجنون تک کہا گیا لیکن آپؐ نے صبر کیا:"وَقَالُواْ يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ "[39]

جیسا کہ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے اُن پر چوری کی تہمت لگائی لیکن اُنھوں نے اس کی کوئی پروا نہیں کی:" قَالُواْ إِن يَسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَّهُ مِن قَبْلُ فَأَسَرَّهَا يُوسُفُ فِي نَفْسِهِ "[40] یعنی ؛(یوسفؑ کے بھائیوں نے حضرت یوسفؑ سے) کہا: اگر (بنیامین) نے چوری کی ہے تو اس کے بھائی (یوسفؑ) نے بھی اس سے پہلے چوری کی تھی (جب حضرت یوسفؑ نے اپنے بارے میں چوری کی تہمت سنی) تو اسے دل میں (پنہان) رکھ لیا۔

ایک شخص نے علامہ خواجہ نصیر الدین طوسیؒ کو ایک خط لکھا، جس میں لکھا ہوا تھا:" یاکلب ابن کلب"(اے کتے اور کتے کے بچے) خواجہؒ نے خط پڑھنے کے بعد اُس کی پشت پر لکھا: اے بھائی تجھے غلط فہمی ہوئی ہے ،کتے کی چار ٹانگیں ہوتی ہیں اور میری دو ٹانگیں ہیں ،میں "مستوی القامہ "(بلند قد) ہوں اور کھڑے کھڑے راستہ چلتا ہوں لیکن کتا چار پاؤں پر راستہ چلتا ہے ،کتے کے ناخن بڑے ہوتے ہیں اور اُس کے جسم پر بال بھی ہیں جبکہ میں اس طرح نہیں ہوں![41]

---

[36]۔ سورہ شوریٰ، ۱۵

[37]۔ سورہ اعراف، ۸۲

[38]۔ سورہ اعراف، ۸۸

[39]۔ سورہ حجر، ۶

[40]۔ سورہ یوسف، ۷۷

[41]۔ منتہی الامال، مناقب حضرت باقر علیہ السلام

آیت اللہ ابو الحسن اصفہانیؒ مرجع تقلید تھے ایک بار وہ دریائے کوفہ کے کنارے کھڑے کوفہ کے لوگوں کی طرف سے آئے ہوئے گالیوں سے بھرے توہین آمیز خطوط دریا میں پھینک رہے تھے!!

جی ہاں! گالیوں اور تہمتوں کے مقابلے میں یہی صبر و تحمل تھا کہ جس کی وجہ سے لوگوں کے دلوں کو جیتا جاتا رہا ہے، پس ہمیں دعا کرنی چاہیے کہ "۔۔واخالف من اغتابنی الیٰ حسن الذکر واشکر الحسنۃ واغضی عن السیئۃ "[42]

"(خداوندا میری تائید فرما تا کہ) جو میری غیبت کرتا ہے اُس شخص کا ذکر خیر کے ذریعے مقابلہ کروں، اچھائیوں کے مقابلے میں شکر گزار اور بدیوں کے مقابلے میں معاف کرنے والا بن جاؤں۔

۷۔الٰہی وعدوں سے اُمیدوار

قرآن کی کچھ آیات مسلمانوں کو اُمید دلاتی ہیں:

۱۔اُس وقت کے بارے میں اُمید وار کرتی ہیں کہ جب دین خدا پورے عالم میں پھیل جائے گا؛

" هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ "[43] یعنی: وہی (اللہ) ہے جس نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس (رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ہر دین (والے) پر غالب کردے۔

۲۔ایک دوسری جگہ باتقویٰ انسانوں کو اُمید دلاتا ہے کہ عاقبت اور سعادت اُنہی کے لئے ہے؛

" إِنَّ الأَرْضَ لِلّهِ يُورِثُهَا مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ "[44] یعنی: بیشک زمین اللہ کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے، اور انجامِ خیر پرہیز گاروں کے لئے ہی ہے۔

۳۔ایک اور آیت میں اپنے انبیاء کے غالب ہونے کی بشارت دیتے ہوئے فرماتا ہے:

" كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي "[45] یعنی: اللہ نے (لوح محفوظ میں) لکھ دیا ہے کہ یقیناً میں اور میرے رسول ضرور غالب ہو کر رہیں گے۔

اُمید خدا کی طرف سے ہے اور مایوسی اور نااُمیدی شیطان کی جانب سے ہوتی ہے؛

" وَلاَ تَيْأَسُواْ مِن رَّوْحِ اللّهِ إِنَّهُ لاَ يَيْأَسُ مِن رَّوْحِ اللّهِ إِلاَّ الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ "[46] یعنی: خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہونا فقط کافر ہی رحمت خدا سے مایوس ہوتے ہیں۔

بنابریں اگر کفار اور بُرے لوگ حق سے روگردانی کرتے ہیں تو (حقیقی) مبلّغ مایوس اور نااُمید نہیں ہوتا بلکہ اپنی تبلیغ کو جاری رکھتا ہے۔

"وَّإِن تَوَلَّوْاْ فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلاَغُ "[47] یعنی: اور اگر منہ پھیر لیں تو آپ کے ذمہ فقط حکم پہنچا دینا ہی ہے۔

---

[42]۔ مفاتیح الجنان، دعائے مکارم اخلاق

[43]۔ سورہ توبہ، ۳۳

[44]۔ سورۂ اعراف، ۱۲۸

[45]۔ سورہ مجادلہ، ۲۱

[46]۔ سورہ یوسف، ۸۷

[47]۔ سورہ آل عمران، ۲۰

وہ کبھی بھی دوسروں کو رحمت خدا سے مایوس نہیں کرتا چونکہ یہ ایک حقیقی فقیہ (عالم دین) کی صفت ہے؛"الفقیہ حق الفقیہ من لم یقنط الناس من رحمۃ اللہ "[48]

ایک اُمید رکھنے والا مبلّغ پوری طاقت اور قوت کے ساتھ اپنا کام جاری رکھتا ہے اور اپنے کام میں سنجیدہ ہوتا ہے اور تبلیغی کاموں میں سستی اور کاہلی سے پرہیز کرتا ہے۔

" اذْهَبْ أَنتَ وَأَخُوكَ بِآيَاتِي وَلَا تَنِيَا فِي ذِكْرِي "

[49]یعنی؛اے موسیٰ ! تم اور تمہارا بھائی (ہارون) میری نشانیاں لے کر جاؤ اور میری یاد میں سستی نہ کرنا۔

قرآن میں مختلف مقامات پر یاددہانی کرائی جاتی ہے کہ "خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ "یعنی ؛اے یحییٰ! (ہماری) کتاب (تورات) کو مضبوطی سے تھامے رکھو۔

۸۔صاحب علم و عمل

مبلّغ کو چاہیے کہ وہ خدا کا پیغام لوگوں تک پہنچائے اور خود بھی اُس پر عمل کرے اور پیغام خدا پر عمل کرنے میں پائیداری دکھائے جیسا کہ رسول خدا ﷺ (تبلیغ دین کے سلسلے میں) ہمیشہ جوش و خروش میں ہوتے تھے اور ایک لحظے کے لئے بھی سکون اور آرام سے نہیں بیٹھتے تھے؛

"فَإِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ ،وَإِلَى رَبِّكَ فَارْغَبْ "یعنی؛ پس جب آپ ؐ(تعلیمِ امت، تبلیغ و جہاد اور ادائیگی فرائض سے) فارغ ہوں تو (ذکر و عبادت میں) محنت فرمایا کریں، اور اپنے رب کی طرف راغب ہو جایا کریں۔

مبلّغ کا سنجیدہ ہونا فقط دین کی تبلیغ ہی میں ضروری نہیں ہے بلکہ اُسے چاہیے کہ وہ اپنے علم اور آگاہی میں بھی اضافہ کرتا رہے۔ کیونکہ اُسے ہر وقت نئی معلومات کی ضرورت ہوتی ہے اور اپنی گزشتہ معلومات پر بھروسہ کافی نہیں ہوتا۔ لہذا رسول خدا ﷺ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اپنے علم و دانش میں اضافے کی دعا کرتے ہوئے فرماتے ہیں:"قل ربّ زدنی علماً "[50]

وہ بھی وہ علم جو عمل اور تجربے کے ہمراہ ہو اور فقط علم اور تھیوری ہی نہ ہو۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس قسم کے علم کی اللہ سے درخواست کرتے ہیں تاکہ اُن کے دل کو سکون و قرار ملے؛

" وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَى قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِن قَالَ بَلَى وَلَـكِن لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِي "[51]

یعنی ؛اور جب ابراہیم (علیہ السلام) نے عرض کیا: میرے رب! مجھے دکھادے کہ تُو مُردوں کو کس طرح زندہ فرماتا ہے؟ ارشاد ہوا: کیا تم یقین نہیں رکھتے؟ اس نے عرض کیا: کیوں نہیں (یقین رکھتا ہوں) لیکن (چاہتا ہوں کہ) میرے دل کو بھی خوب سکون نصیب ہو جائے۔

جس مبلغ کا علم و دانش کے لحاظ سے ہر دن دوسرے دن سے مختلف نہ ہو اُس کے تمام لحظات بے برکت ہو جاتے ہیں۔ رسول خدا ﷺ فرماتے ہیں:" اذا اتی علیّ یوم لا ازداد فیہ علماً یقرّبنی

---

[48]۔ اصول کافی، ج۱، ص۳۶

[49]۔ سورۂ طٰہ، ۴۲

[50]۔ سورۂ طٰہ، ۱۱۴

[51]۔ سورۂ بقرہ، ۲۶۰

ً

فیہ الی اللہ تعالیٰ فلا بورک لی فی طلوع الشمس ذلک الیوم "[52] یعنی ؛اگر کوئی دن شروع ہو جائے اور اُس دن میرے علم میں ایسا اضافہ نہ ہو جو مجھے خدا کے نزدیک کرے تو اُس دن سورج کا طلوع ہونا میرے لئے مبارک نہیں ہو گا۔

[52] ۔ نہج الفصاحۃ، حدیث:۱۲۶

امام خمینیؒ کی خطیبوں، نوحہ خوانوں اور عزاداروں کو وصیت

از گروہ تحریر

حضرت امام خمینیؒ کا انقلاب اور اسلامی تحریک کربلا اور عاشورا کی مرہون منت ہے۔ اگر عزاداری امام حسینؑ نہ ہوتی تو شاید ہی یہ انقلاب کامیاب ہوتا۔ حضرت امامؒ نے عزاداری امام مظلوم کو درست جہت عطا کر کے شاہی ظلم و ستم اور عالمی شیطانی قوتوں کے تسلط کو ختم کیا اور کربلا کے مقاصد کو پورا کرتے ہوئے عزاداری کے حقیقی مفہوم سے لوگوں کو آگاہ کیا۔ اس سلسلے میں امام خمینیؒ نے اپنے مختلف بیانات اور خطابات میں خطیبوں، نوحہ خوانوں اور عزاداروں کو جو وصیتیں کی ہیں وہ آج بھی ہمارے لئے کارآمد ہیں اور عزاداری کے حقیقی مقاصد کی عکاسی کرتی ہیں۔ یہاں ان بیانات اور خطابات سے چند اقتباسات مبلغین اور خطباء حضرات کے ذوق مطالعہ کی نذر کئے جاتے ہیں:

عزاداری امام مظلوم میں وقت کے ظالموں کا تذکرہ

میں کوئی شک نہیں کہ اشعار، نوحوں، مرثیوں اور ائمہ حق علیہم السلام کے قصائد میں لازمی ہے کہ ہر دور کے ظالم و ستمگر کے ظلم و ستم کا شدت کے ساتھ تذکرہ کیا جائے اور اسی دور میں جو جہان اسلام کی مظلومیت کا دور ہے، امریکہ، روس اور ان سے وابستہ ہاتھوں، منجملہ آل سعود[53] جو حرم الٰہی کے خائن ہیں؛ ان پر اللہ و فرشتوں اور انبیا کی لعنت ہو؛ اس مظلومیت اور خارجیت کو زور و شور سے بیان اور ان پر لعنت و نفرین کی بارش ہونا چاہیے۔[54]

مجالس عزا میں سیاسی مسائل کا تذکرہ

اہل منبر حضرات (ایدہم اللہ تعالی) کوشش کریں کہ لوگوں کو اسلامی، اجتماعی اور سیاسی مسائل کی دعوت دیں اور مجالس سے دستبردار نہ ہوں۔ اس لیے کہ ہم مجالس کی وجہ سے زندہ ہیں۔[55] مقررین، کا فرض ہے کہ روزمرہ کے سیاسی واجتماعی مسائل بیان کرنے کے بعد مصائب اور مراثی کو جس طرح پہلے پڑھا کرتے تھے اسی طرح پڑھیں اور لوگوں کو ایثار کیلئے آمادہ کریں۔[56]

مصائب اہل بیتؑ کے تذکرے کی اہمیت

مجلس کے اختتام پر مصائب پڑھیں اور زیادہ سے زیادہ پڑھیں، صرف دو جملوں پر اکتفانہ کریں۔ جس طرح پہلے سے پڑھتے چلے آئے ہیں ویسے ہی مصائب پڑھے جائیں۔ مرثیے کہے جائیں اور اہل بیت علیہم السلام کے فضائل و مصائب کو نظم و نثر میں بیان کیا

53۔ "آل سعود" وہابی مذہب والے امراء کی کنیت ہے جو جزیرہ العرب پر حکمران ہیں اور انہوں نے اس کا نام بدل کر سعودی عرب رکھا ہے۔ وہابیوں کے عقیدہ کے مطابق مسلمانوں کے تمام فرقے چاہے شیعہ ہوں یا سنی، مشرک و کافر ہیں اور بت پرستوں کے زمرے میں آتے ہیں۔ جزیرۃ العرب پر اس خاندان کی ۲۶۸ سالہ حکومت کا نتیجہ فقر و فاقہ، مادی و معنوی محرومیت اور دوسروں پر انحصار کے علاوہ اور کچھ نہیں نکل سکا۔ اس خاندان کے روسا ہمیشہ سے پہلے تو انگریزی استعمار اور پھر امریکی امپریلزم کی خدمت کرتے رہے ہیں۔

54۔ صحیفہ امام، ج۲۱، ص۴۰۰

55۔ صحیفہ امام، ج۱۳، ص۳۳۰

56۔ صحیفہ امام، ج۱۵، ص۳۳۱

جائے تاکہ لوگ میدان عمل میں تیار رہیں۔ یاد رہے کہ ہمارے ائمہ نے اپنی حیات طیبہ، ترویج اسلام میں صرف فرمائی ہیں۔ اگر وہ کوئی سمجھوتہ کرنا چاہتے تو ہر طرح کی دنیاوی چیزیں ان کے قوموں میں تھیں لیکن انہوں نے خود کو اسلام پر قربان کردیا اور ستمگروں کے ساتھ سمجھوتہ نہیں کیا۔[57]

مجالس عزا کی اصلاح کی ضرورت

یہاں بطور خاص، حسین بن علی کے نام کی عزاداری اور مجالس کے بارے میں ایک بات عرض کروں: ہم اور کوئی بھی دیندار یہ نہیں کہتے کہ اس نام سے جو کام بھی کیا جائے وہ اچھا ہے۔ اکثر علمائے بزرگ اور بہت سے دانشمندوں نے بعض امور کو ناجائز قرار دیا ہے اور اپنے اپنے دور میں ان سے روکا ہے۔ چنانچہ ہم سب ہی جانتے ہیں کہ بیس سال یا اس سے کچھ زیادہ پہلے عالم بزرگوار مرحوم حاجی شیخ عبدالکریم ([58]) نے جو عظیم شیعہ علما میں سے تھے، قم میں " شبیہہ خوانی " کو ناجائز قرار دے دیا تھا اور شبیہہ خوانی کی ایک بڑی مجلس کو مصائب کی مجلس میں بدل دیا تھا۔ دوسرے علما اور دانشمندوں نے بھی خلاف دین چیزوں سے منع کیا ہے اور منع کرتے ہیں۔[59]

یہ یاد رکھیے کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی تحریک محفوظ رہے تو ان سنتوں کی حفاظت کیجئے۔ البتہ اگر ماضی میں کچھ ناجائز چیزیں تھیں اور اسلامی مسائل سے بے خبر لوگوں کی وجہ سے تھیں تو ان کا کسی حد تک صفایا ہونا چاہیے۔ لیکن عزاداری کو اپنی اسی قوت کے ساتھ باقی رہنا چاہیے۔[60]

یہ عظیم ماتمی دستے کہ جن کی غیر شرعی چیزوں کو الگ کرکے شرعی چیزوں کی حفاظت ضروری ہے، یہ ماتمی دستہ جات اس عظمت وشان وشوکت کے ساتھ اور پُر محتوا، ہر جگہ کون اکٹھا کر سکتا ہے۔[61]

محرم اور قیام کربلا

کربلا کو زندہ رکھیے اور حضرت سید الشہدا کے نام مبارک کو زندہ رکھیے کہ ان کے زندہ رہنے سے اسلام زندہ رہے گا۔[62] یہ سید الشہدا کا خون ہے جو تمام ملتوں کے خون میں جوش وحرارت پیدا کرتا ہے۔[63] یہ اتحاد جو ہماری کامیابی کا نقطہ آغاز قرار پایا۔ یہ مجالس عزا وسوگواری اور مجالس تبلیغ وترویج اسلام کی خاطر تھا۔

57۔ صحیفہ امام، ج۱۵، ص ۳۳۲

٦۔ آیت اللہ العظمٰی شیخ عبدالکریم حائری یزدی (ولادت ١٢٧٦۔ وفات ۱۳۵۵ھ ق) چودھویں صدی میں شیعوں کے بزرگ فقہا اور مراجع تقلید میں سے تھے۔ ابتدائی تعلیم مکمل کرنے کے بعد انہوں نے نجف اور سامرا کا سفر کیا اور وہاں میرزائے شیرازی، میرزا محمد تقی شیرازی، آخوند خراسانی، سید کاظم یزدی اور سید محمد اصفہانی فشارکی (رحمہم اللہ) جیسے اساتذہ سے فیض حاصل کیا۔ ۱۳۳۲ھ ق، میں اراک آئے وہاں سے ۱۳۴۰ھ ق، میں قم تشریف لائے اور وہاں کے بزرگوں کے اصرار پر استخارہ کرکے وہیں مقیم ہوگئے اور حوزہ علمیہ قم کی بنیاد ڈالی۔ ان کے درس میں عظیم الشان علمانے تربیت پائی جن میں حضرت امام خمینی سرفہرست ہیں۔ ان کی تالیفات اصول میں "درر الفوائد" اور فقہ میں "الصلاۃ، النکاح، الرضاع اور المواریث" ہیں۔

59۔ کشف الاسرار، ص ۱۴۱

60۔ کشف الاسرار، ص ۱۷۳

61۔ صحیفہ امام، ج۱۱، ص۹۸

62۔ صحیفہ امام، ج۱۷، ص۴۹۹

63صحیفہ امام، ج۱۵، ص ۳۳۱۔

محرم سید الشہدا اور سرور اولیا کی عظیم تحریک کا مہینہ ہے جنہوں نے طاغوت کے مقابلہ میں اپنے قیام کے ذریعہ انسان کو تعمیر وترقی اور دشمن شکنی کی تعلیم دی اور یہ بتایا کہ ظالم وستمگر کا قلع قمع کرنے کا طریقہ، فدا ہونا اور قربانی دینا ہے اور یہ چیز آخر تک ہماری ملت کیلئے اسلامی تعلیمات کی نمایاں سرخی ہے۔[64]

محرم وہ مہینہ ہے جس میں عدل نے ظلم اور حق نے باطل کے خلاف اٹھ کھڑے ہو کر یہ ثابت کر دیا کہ تاریخ کے ہر دور میں حق، باطل کے مقابلہ میں کامیاب ہوا ہے۔[65]

مجالس عزا کی شان وشوکت برقرار رہنی چاہیے

مظلوموں کے آقا اور آزادی پسندوں کے مولا کو خراج عقیدت پیش کرنے کی خاطر، ہونے والی مجلسیں جو سپاہ عقل کے جہل، عدل کے ظلم، امانت کے خیانت اور حکومت اسلامی کے حکومت طاغوت پر غلبہ حاصل کرنے کی مجلسیں ہیں ان کو زیادہ سے زیادہ شان وشوکت کے ساتھ منایا جائے اور عاشورا کے خونی پرچموں کو ظالم سے مظلوم کا انتقام لینے کی علامت کے طور پر زیادہ سے زیادہ بلند کیا جائے۔[66]

محرم وصفر کو زندہ رکھنا چاہیے

انقلاب اسلامی ایران، عاشورا اور اس کے عظیم الٰہی انقلاب کا پرتو ہے۔ شیعوں کیلئے محرم وہ مہینہ ہے جس میں فداکاری

[64]۔ صحیفہ امام، ج۳، ص۳۱۴

[65]۔ صحیفہ امام، ج۵، ص۱۷۷

[66]۔ صحیفہ امام، ج۵، ص۶۷

اور خون کے ذریعہ، کامیابی حاصل ہوئی۔[67] محرم وصفر نے اسلام کو زندہ رکھا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ مصائب کے تذکرہ کے ذریعہ محرم وصفر کو زندہ رکھیں۔ یہ مذہب مصائب اہل بیت ؑ کے تذکرے کی وجہ سے اب تک زندہ ہے۔[68] نوحوں، مرثیوں اور ائمہ حق کی مدح کے قصیدوں میں ہر عصر ومصر کے ستمگروں کے ستم کو نہایت جرأت کے ساتھ بیان کیا جائے۔[69] مت سوچئے کہ اگر یہ مجالس عزا اور ماتمی دستے نہ ہوتے تو بھی ۱۵ خرداد کا واقعہ وجود میں آجاتا۔[70]

آپ دیکھئے کہ اپنے زمانہ کے بہترین افراد، حضرت امام حسینؑ، جوانان بنی ہاشم اور ان کے اصحاب شہید ہوگئے اور انہوں نے دنیا سے منہ موڑلیا۔ لیکن جب یزید کی مجلس نحس میں اس کا ذکر آتا ہے تو حضرت زینب قسم کھا کر کہتی ہیں کہ (ما رأينا الا جميلاً) کربلا میں ہم پر صرف ایک خوشگوار حادثہ رونما ہوا۔ ایک انسان کامل کی شہادت اور اس کا چلا جانا اولیائے خدا کی نظر میں خوشگوار اور جمیل ہے۔ اس لیے نہیں کہ وہ جنگ کر کے شہید ہوا، بلکہ اس لیے کہ اس کی جنگ اور اس کا قیام خدا کیلئے تھا۔[71]

[67]۔ صحیفہ امام، ج۵، ص۲۸۳

[68]۔ صحیفہ امام، ج۱۵، ص۳۳۰۔

[69]۔ صحیفہ امام، ج۲۱، ص۴۰۰

[70]۔ صحیفہ امام، ج۱۶، ص۳۴۶

[71]۔ صحیفہ امام، ج۲۰، ص۲۰۴

تبلیغ دین اور مذہب اہل بیتؑ کی حفاظت

حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ صافي مد ظلہ العالی

حوزہ علمیہ قم کے بزرگ مرجع اور محقق حضرت آیت اللہ صافی گلپایگانی نے مبلغین کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے جن نکات کی تاکید کی ہے، اُن کا خلاصہ یہ ہے:

تبلیغ بہت ہي اہم مسئلہ ہے بلکہ اسلام کي بنیاد تبلیغ پر ہے، انبیاء کو بھي اسي مقصد کے لئے مبعوث کیا گیا۔ آج دنیا بھر میں تبلیغ کا بہت گہرا اثر پڑتا ہے، دنیا میں اکثر تبدیلیاں تبلیغات اور پروپگنڈوں کي وجہ سے رونما ہوتي ہیں، قرآن نے بھي تبلیغ کو بلاغ مبین کا عنوان دیا ہے۔ آج حکومتیں پروپیگنڈے پر وسیع سرمایہ خرچ کرتي ہیں اور تبلیغ کو بہت زیادہ اہمیت دیتي ہیں بلکہ اکثر ممالک میں تو امور تبلیغ کے لئے الگ سے وزارتیں بنائي گئي ہیں اور وہ اپنے سیاسي مسائل کو میڈیا میں تبلیغ کے ذریعہ آگے بڑھاتے ہیں اس پر بہت ہي زیادہ سرمایہ خرچ کرتے ہیں چونکہ تبلیغ اور پروپگنڈوں کي قدرت مسلح فوج کي طاقت سے کہیں زیادہ ہے۔

تبلیغ لوگوں کا دل جیت سکتي ہے، انسان کو بدل سکتي ہے، لہذا ہمیں اپنے قوي اور غني دین کي تبلیغ کے لئے قدم بڑھانا چاہئے اور یاد رہے کہ دین اسلام کي تبلیغ میں ہم جو بھي کوشش کریں، کم ہے۔ تبلیغ کي مہم میں حوزہ علمیہ کا بہت اساسي کردار ہے اس لئے حوزہ کو اس امر میں کوتاہي نہیں کرني چاہئے، کیوں کہ یہ حوزوي طلاب کي ذمہ داریوں میں سے ہے۔ آج اسي تبلیغ کے ذریعہ دین، مذھب اور ولایت اہلبیت علیہم السلام محفوظ ہے، ہمیں اس ذمہ داري کا احساس رہنا چاہئے چونکہ اگر ملک کے کسي گوشہ میں کوئي ہدایت پاتا ہے یا گمراہ ہوتا ہے تو اس سے ہمارا واسطہ ہے اور ہم اسے آساني سے نظر انداز نہیں کرسکتے ہیں۔ شیعوں کے پاس بہت عظیم علمي سرمایہ موجود ہے۔ دین اسلام اور مکتب اہلبیت(ع) کے پاس بہت ہي عظیم علمي سرمایہ موجود ہے اس لئے موجودہ دور میں ہمیں تبلیغ کے ذریعہ دنیا کے سامنے دین کو پہچنوانا چاہئے۔ قرآن، نہج البلاغہ، صحیفہ سجادیہ یہ وہ عظیم سرمایہ ہیں جن سے مبلغین کو استفادہ کرنا چاہئے اور اپني آواز کے ذریعہ اس پیغام کو دنیا کے سامنے پہنچانا چاہئے۔

آج کے دور میں ہر انسان اپنے افکار وعقیدہ کي تبلیغ وترویج کرتا ہے تو اسلام کے ماننے والے تو دنیا کے گوشے گوشے میں موجود ہیں انھیں بھي اپنے افکار و عقائد کي تبلیغ وسیع پیمانے پر کرنا چاہئے۔ دور حاضر میں تبلیغ کا کام آسان ہوگیا ہے انٹرنیٹ کي دنیا میں بھي تبلیغ کي راہیں ہموار ہیں اس لئے ہمیں اس سے غفلت نہیں کرني چاہئے بلکہ اس دنیا میں بھي ہمیں اپنے قدم جما کر تبلیغ کے فرائض کو پورا کرنا چاہئے۔ اگر ہم تبلیغ دین کے کام میں کوتاہي کریں اور دیني احکام کو دنیا والوں

تک نہ پہنچائیں تو ہم قصوروار ہیں اور خداوند عالم ہم سے اس بارے میں سوال کرے گا اس لئے اپنے نقاط ضعف کي اصلاح کریں اور نقاط قوت اور اور مضبوط کریں۔ مبلغین کو میری نصیحت ہے کہ وہ تبلیغ دین میں مخاطب پہچاننے اور اپنے کلام کي بلاغت پر بہت زور دیں اور اس زمانے کے حالات کے مطابق گفتگو کریں، جو لوگ قرآن اور روایات کے سہارے گفتگو کرتے ہیں ان کے پاس عظیم علمي سرمایہ موجود ہے۔

البتہ ہمیں عرفان کے جھوٹے دعویداروں سے خبردار رہنا چاہیے اور میر احکام اعلیٰ سے یہ تقاضہ ہے کہ اس مسئلے پر بہت ہي سنجیدگي سے غور کریں اور عرفان کے جھوٹے دعویداروں کو تلاش کرکے ان کے باطل خیالات کا مقابلہ کریں۔ آخر میں ہم حوزہ علمیہ کے ادارہ تبلیغ، مبلغین اور ان تمام لوگوں کا شکریہ ادا کرتے ہیں جو تبلیغ کے کام میں زحمت اور جانفشاني کر رہے ہیں۔

پاکستانی علماء اور مبلغین کی ذمہ دارياں

آیت اللہ جواد فاضل لنکرانی (دامت برکاتہ)

علماء پاکستان سے ملاقات میں حضرت آیت اللہ فاضل لنکرانی (دامت برکاتہ) نے اپنے خطاب میں جن اہم نکات کی طرف اشارہ کیا ہے، اُن کا خلاصہ یہ ہے:

سب سے پہلے میں آپ تمام علماء اعلام، اور پاکستان کے آئمہ جمعہ و جماعت کی خدمت میں خوش آمدید کہتا ہوں، مخصوصاً اس انجمن کے مسؤل حضرت حجۃ الاسلام و المسلمین حاج آقای صلاح الدین کی خدمت میں خوش آمدید کہتا ہوں کہ ان کے بہت سارے علمی خدمات بھی ہیں اور اس بارے میں خوشحال بھی ہوں کہ اس مجموعہ کی مسؤلیت انہیں کے ذمہ ہے۔ ماہ شعبان اور اعیاد شعبانہ خصوصاً خاتم الاوصیاء امام زمان (عج) کی ولادت باسعادت کے سلسلے میں آپ تمام کی خدمت میں تبریک اور تہنیت عرض کرتا ہوں۔

اس وقت پاکستان کی حالات بہت ہی اہم ہے اور ہم یہاں پر اس بارے میں کچھ مطالب بیان کرنا چاہتے ہیں کہ ایسے حالات میں علماء کی کیا ذمہ داری ہے، ہم تمام طلاب علوم دینی اور روحانیوں کی ذمہ داری دین کی حفاظت اور اس امانت کو نسل آیندہ تک پہنچانا ہے، علماء نہ ایران میں اور نہ ہی ایران سے خارج کسی اور جگہ پر اس چیز کے درپے نہیں ہیں کہ قدرت پیدا کرے اور قدرت طلبی کرے، اگر ایران میں اسلامی حکومت آئی ہے تو یہ بھی اسلام کے احکام کے اجراء کے لئے ہے، اس لئے انقلاب لایا گیا ہے کہ لوگوں کے درمیان دین کو زیادہ سے زیادہ پہنچائے، انقلاب کا ہدف اور مقصد صرف یہی ہے۔ اب بات اس میں ہے کہ اس ہدف اور مقصد تک پہنچنے کے لئے کیا کیا جائے؟

اس کے لئے پہلا قدم یہی کام ہے جسے آپ لوگوں نے انجام دیا ہے، آج اگر دنیا کے کسی نقطہ میں بھی علماء کے درمیان اتحاد اور اتفاق نہ ہو تو وہ کوئی بھی کام نہیں کر سکتا، آج وہ زمانہ نہیں ہے کہ ایک عالم دین یہ بتائے کہ میں انفرادی طور پر تمام مشکلات کو حل کر لوں گا، ایک عالم دین اپنے گھر یا کسی لائبیریری میں ایک کتاب لکھ سکتا ہے تا کہ کچھ حد تک یہ اثر انداز ہو لیکن آج بشریت، اسلام اور مکتب اہلبیت

علیہم السلام کے لئے جو بنیادی مشکلات در پیش ہے وہ کسی انفرادی کام سے حل ہونے والا نہیں ہے۔
لہذا آپ اس انجمن کی اہمیت کو جانیں، اور اسے صرف ایک تشریفاتی انجمن نہ سمجھیں، جہاں تک ممکن ہو اس انجمن سے استفادہ کرنے کے لئے پروگرام بنانا چاہئے، اس انجمن کے ہر میٹینگ کے لئے سینکڑوں گھنٹے کام ہونا چاہئے، یہ انجمن صرف مومنین کے شخصی مسائل جیسے نکاح، طلاق وغیرہ کے انجام دینے پر اکتفاء نہ کرے، بلکہ دوسرے بہت سے اہم کاموں کو بھی انجام دیں۔
آج ہم جن اہم خطرات سے دوچار ہیں وہ یہ ہے کہ دشمنان خدا کے مراکز، اور کفر و شرک کے مراکز سے ہمارے اور ہمارے جوانوں کے عقائد پر حملہ ہو رہا ہے، آپ خود اینٹرنٹ پر بخوبی ان چیزوں کو مشاہدہ کر رہے ہیں، کوئی دن ایسا نہیں ہے جس میں اسلام اور قرآن کے خلاف کوئی شبہہ اور اشکال پیدا نہیں کیا ہو، ہر آئے دن کوئی نہ کوئی جدید شبھہ کو پیدا کرتے ہیں۔
میں نے انہیں آخری چند دونوں میں دیکھا کہ قرآن کے بارے میں کچھ جدید شبہات پیدا کیے ہیں، یہ سب کس مقصد کے لئے ہے؟ اس کے ایجاد کرنے میں کوئی علمی ہدف و مقصد نہیں ہے اور مناظرہ اور علمی بحث و مباحثہ کے زریعہ کسی نتیجہ تک پہنچنا ان کا مقصود نہیں ہے، بلکہ وہ لوگ اس طرح سے قرآن کو بی اعتبار کرنا چاہتے ہیں، اسلام کو بے اعتبار کرنا چاہتے ہیں، مسلمانیت کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔
میری نظر میں ایک اہم کام جسے اس انجمن کو انجام دینا چاہئے وہ یہ ہے کہ ہر میٹینگ میں ان اشکالات اور شبہات کے بارے میں بحث و گفتگو کریں، اس بارے میں آقایان مطالعہ کریں اور جواب دے دیں، اور یہ سوال و جواب اینٹرنٹ پر ہی نشر ہو جائے، یعنی آپ کے اس انجمن کا ایک اپنا سائٹ ہونا چاہئے تا کہ ہمیشہ اور آن لائن شبہات کا جواب دے سکیں۔
دوسرا مطلب: تکفیریوں کی طرف سے مشکلات و مسائل ہیں۔ آج ایک گروہ ایسا پیدا ہوا ہے جو اسلام کے نام پر اور وہ بھی خالص اسلام اور توحید کے نام پر اپنے علاوہ دوسرے تمام مسلمانوں کو کافر بتاتے ہیں، فرق نہیں وہ شیعہ ہو یا سنی، یہ کہتے ہیں کہ جو بھی ہمارے عقائد کے معتقد ہوں وہ مسلمان ہیں اور اگر ہمارے عقائد کے معتقد نہ ہوں تو وہ کافر ہیں۔
ہمیں سب سے پہلے یہ معلوم کرنا چاہئے کہ یہ گروہ کیسے وجود میں آیا؟ ہم کبھی اس بنیادی سوال سے غافل ہوتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہم کیسے ان کے ساتھ مبارزہ کریں؟ سوال یہ ہے کہ کیا یہ تکفری شام کی جنگ کی وجہ سے وجود میں آیا ہے، اور بعض نے شام کی حکومت کی مخالفت میں اس تکفیری گروہ کو وجود میں لایا ہے؟ یا ایسا نہیں ہے؟
میرا نظریہ یہ ہے کہ اگر ہم تحقیق کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ تیس (۳۰) چالیس(۴۰) سال ہے کہ اسرائیل اور امریکا کے تحقیقی مراکز نے کام کیا ہے اور طالبان کو ایک نئے چہرہ میں تکفیریوں کے شکل میں مسلمانوں پر سوار کیا ہے، طالبان کو خود پاکستان اور وہاں کے مدارس میں تربیت دی ہے۔
مغربی ممالک اور امریکا میں اسلام کی تیزی سے پھیلتی ہوئی تحریک کو دیکھ کر ایک ایسا اسلام متعارف کرایا ہے جو عقل کے خلاف ہو، قصی القلب ہو، ایسا اسلام کہ ہر جوان اس کا نام سن کر نفرت کرے، انہوں نے ایسا اسلام اپنے لوگوں سے متعارف کیا ہے تا کہ یہ بتائے

کہ اسلام یہ ہے، عرصہ دراز تک افغانستان میں طالبان کو اٹھاکر رکھا آپ نے دیکھا کہ وہاں پر طالبان نے کس قسم کے درناک کاموں کو انجام دیا۔

یہی طالبان ایک دن میں مزار شریف میں پانچ ہزار(۵۰۰۰) سے زائد شیعیوں کو قتل عام کیا، یہ دیکھنا ہو گا کہ کس قسم کے لوگوں کو ایسے کاموں کے لئے تربیت دی جاتی ہے؟ ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ یہ لوگ کہاں پر دین سے جنگ لڑنے کے تربیت پائے ہیں؟ یہ ہماری بڑی غلطی ہے کہ صرف یہ فکر کریں کہ شام کا مسئلہ پیش آیا اور کچھ لوگ شام کی حکومت کے خلاف ہوئے اور بعد میں یہی لوگ تکفیری بن گئے، کیا آپ یہ سوچتے ہیں کہ یہ ایک معمولی بات ہے کہ ایک گروہ کو رسول اکرم(ص) اور ائمہ اطہار(ع) کے اصحاب کے قبروں کو خراب کرنے اور نبش قبر کرنے کے لئے تیار کریں؟

اگر ان لوگوں کو فرصت ملے تو مدینہ کے ساتھ بھی یہی کریں گے، اگر ان کے ہاتھ میں قدرت آئے تو یہ بھی بتائیں گے کہ کعبہ بھی شرک ہے اسے بھی ختم ہونا چاہئے، توحید کے نام پر توحید کے گھر کو خراب کریں گے، ان افراد کو پہچان لیں، لوگوں اور جوانوں سے ان باتوں کو بتایا جائے تاکہ یہ لوگ اس تکفیری گروہ کے بارے میں زیادہ سے زیادہ مطلع رہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ اس گروہ سے کیسا سلوک کیا جائے؟ وہ لوگ ہمیں کافر بتاتے ہیں، ان کے مقابل میں ہم بھی اگر ان کو کافر بتائیں تو مسئلہ حل نہیں ہوگا، ہمیں اس گروہ کے سیاسی بنیاد سے آگاہی ضروری ہے۔

میں یہاں پر واضح الفاظ میں یہ عرض کرتا ہوں اور آپ بھی اس مطلب کے بارے میں غور و فکر کریں، اس وقت ایران سے باہر شیعوں کی حمایت کے نام سے امریکا اور اسرائیل کی حمایت کرتے ہیں، لیکن تکفیریوں اور شیعیوں کی حمایت کے مدعی یہ گروہ دونوں کا نتیجہ ایک ہی ہے۔

ہم میں اکثر آج اس مطلب سے غافل ہیں، شیعہ کی حمایت کے نام سے، اس نام سے کہ ہم دنیا میں شیعیوں کو پہچانوانا چاہتے ہیں، البتہ ممکن ہے حقیقت میں یہ لوگ خود ہی بے خبر ہوں کہ پیچھے کیا ہو رہا ہے ان معلوم ھی نہ ھو؟ فرض کریں کچھ خرافات اور موہوم چیزوں کو بیان کرے، اس وقت نجف اور قم میں ہمارے اکثر مراجع صراحت کے ساتھ بتاتے ہیں کہ ان حالات میں سبّ اور لعن کرنا جائز نہیں اور حرام ہے، لیکن ایران سے باہر کچھ لوگ پیدا ہوتے ہیں جو لعن اور سبّ کے نام سے اپنے آپ کو متعارف کرواتے ہیں۔

ہمیں معلوم ہے کہ کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی شیعہ ہو اور وہ اہل تولی اور تبری نہ ہو؟ لیکن یہ دیکھیں کہ اس شکل کے سبّ اور لعن کو ظاہر کرنا آج دنیا میں کس کی خواہش ہے؟ آج کون اس طرح کے اختلافات کو پھیلانا چاہتا ہے؟ کون آئے دن مسلمانوں کے درمیان اس قسم کے اختلافات کو زیادہ کرنا چاہتا ہے؟

میں یہ عرض کروں گا کہ آج بشریت اور اسلام کے لئے تکفیری جتنا خطرناک ہے اتنا ہی شیعیت کے دفاع میں جو افراطی لوگ ہیں وہ بھی خطرناک ہیں، اس بارے میں کن افراد کو متوجہ ہونے کی ضرورت ہے؟ علماء کو چاہئے کہ اس بارے میں متوجہ رہیں، علماء ان چیزوں کو

لوگوں کے لئے بیان کریں، اگر ہم آج اس خطر سے غافل رہیں، تو بعد میں قابل جبران نہیں ہو گا۔

سی آئی اے (CIA) کے سب سے بڑے افسر نے اپنے کسی تقریر میں کہا تھا کہ ہمیں چاہئے کہ شیعوں سے دو چیزوں کو لے لیں؛ ایک عاشورا اور دوسرا مہدویت، مہدویت کے مسئلہ میں اگر مرجعیت کو کہ جو امام زمان (ع) کے نائب ہیں ہے ان کو شیعوں سے چھینا جائے تو شیعہ خود بخود ختم ہو جائے گا، کیسے اسے چھینا جا سکتا ہے؟ اسی طریقہ سے، کہ شیعہ اہل منطق اور استدلال ہیں اگر اسے ایک افراطی گروہ متعارف کرائے تو خود بخود ختم ہو جائے گا، ہمارے پاس قرآن کریم میں کچھ ایسی آیات ہیں کہ بغیر کسی اور چیز کے اضافہ کرنے کے خو دیہی آیات امامت پر دلالت کرتی ہیں، آئیں ہم ان آیات کو بیان کریں۔

آئیں ہم ائمہ معصومین علیہم السلام کی حالات زندگی کو لوگوں کے لئے زیادہ بیان کریں، آئمہ کے اخلاق، سیاست، اقتصاد اور ان کی اجتماعی مسائل کو بیان کریں، جیسا کہ خود آئمہ اطہار علیہم السلام نے فرمایا ہے کہ اگر لوگ ہمارے کلمات کے محاسن سے آشنا ہو جائے تو ضرور اسے قبول کر لیں گے، یہ ہے اصلی اور حقیقی راستہ۔

کیا ہمارے آئمہ اطہار (ع) کی زمانہ میں علنی طور پر سبّ اور لعن کرتے تھے؟ یہ ایک سوال ہے، اس وقت یہ چیزیں مخفی طور پر ہوتے تھے، مرکز فقہی ائمہ اطہار (ع) کے محققین میں سے ایک نے زیارت عاشورا کی سند کے اثبات کے بارے میں ایک کتاب لکھی ہے، کہ میں بھی اس کتاب پر ایک مقدمہ تحریر کیا ہے، فقہی اعتبار سے فی نفسہ اس کا مستحب ہونا ایک واضح امر ہے، لیکن ہمارے اس زمانہ میں اور ان حالات میں علنی طور پر سبّ و لعن کرنا بے گناہ انسانوں کے خون بہانے کا سبب بنتا ہے، یورپ میں ہفتہ برائت مناتے ہیں تا کہ ہفتہ وحدت کا مقابلہ کریں۔

ہمیں تکفیریوں کے خطرہ سے بھی متوجہ رہنا چاہئے کہ بہت بڑا خطر ہے اسی طرح شیعہ افراطی جو اس وقت رشد و نمو پا رہے ہیں کے خطرہ کے بارے میں بھی متوجہ رہنا چاہئے، ایک کتاب لکھا جاتا ہے اور اس میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ کو ایک برا عنوان دیا جاتا ہے، اور اس کتاب کو اسلامی ممالک میں شیعہ کے نام سے تقسیم کرتے ہیں، کونسے عقل، کونسے دینی مبانی اور کونسی سیرت ائمہ ہمیں اس بات کی اجازت دیا ہے؟ یہ سب خلاف دین ہے۔

میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آج علماء نہ صرف ایران کے علماء بلکہ پوری دنیا کے شیعہ علماء کی ذمہ داری ہے، اے کاش آج پوری دنیا کے شیعہ علماء کا کوئی انجمن وجود میں آتا، مجھے معلوم نہیں کہ مجمع جہانی اہلبیت (ع) کے ہاں کوئی ایسا پروگرام ہے یا نہیں؟ ایسا ضرور ہونا چاہئے کہ "مرکز تجمع نمایندگان علماء شیعہ جہاں،، کے نام سے کوئی انجمن وجود میں آئے، اور ان مسائل کو بیان کرتے اور ایک منسجم اور متحد سیاست اپناتے اور شیعہ کے نام سے دنیا میں اعلان کرتے۔

خود آپ کا یہی انجمن کہ پاکستان کے بزرگ علماء پر مشتمل ہے، اس بارے میں سوچ و بچار کریں، علماء شیعہ کی جو اصلی شناخت ہے کہ حافظ دین اور امانت الٰہی کے حامل ہونا ہے اور اس امانت کو آنے والے نسلوں تک پہنچانا ہے، لہٰذا اس خطرہ کے بارے میں بہت زیادہ ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے، دیکھا جائے کہ کیا چیز خطرناک ہے اسے

پہچاننے کے بعد اس سے مقابلہ کریں، اور اس کے ذریعہ کسی کو عزت دینا اور کسی کی بے عزتی کرنا مقصود نہ ہو۔

یہ سب اگر خدا کے لئے ھو تو صحیح ہے لیکن اگر خدا کے لئے نہ ہو تو سب کے سب شرک ہے، لہذا ہمیں بنیاد کو دیکھنا چاہئے، آج جو مشکل در پیش ہے اس کو پہچاننے اور یہ بھی معلوم کریں کہ اس کا علاج کیا ہے ؟ان سب کے بارے میں جب میں یہ سوچتا ہوں تو یہ خود اپنی جگہ ایک بنیادی مسئلہ نظر آتا ہے کہ علماء شیعہ کی علمی بے نیازی خود ایک الگ موضوع ہے ، اگر پوری تاریخ میں شیعہ علماء دوسرے تمام مذاہب پر برتری پیدا کر چکے ہیں، تو وہ اسی وجہ سے ہے کہ شیعہ علماء ایک خاص علمی بے نیازی رکھتا ہے۔

میں آپ سے یہی خواہش کروں گا کہ جب آپ امام جماعت یا امام جمعہ بن جائے، تو اس کے بعد علمی مسائل سے لا تعلق نہ ہو جائے، بلکہ پہلے سے زیادہ علمی مسائل سے آگاہی کی ضرورت ہے ، اگر کہیں پر اچھے دروس ہو تو اس میں ضرور شرکت کریں، اگر نہ ہو تو آج الحمد للہ اینٹرنٹ ہے ، قم کے مراجع اور علماء اعلام کی کیسٹیں اور سی ڈیز ہیں ان سے استفادہ کریں ، اور واقعی طور پر اپنے آپ کو علمی لحاظ سے مستحکم کرنے کا مصمم ارادہ کریں، آجکل جوان علماء کے پاس آکر مختلف قسم کے سوالات کرتے ہیں ، وجود خدا سے لے کر معاد تک کے بارے میں سوال کرتے ہیں، فقہ امامیہ سے لے کر دوسرے تمام فقہ تک کے بارے میں سوال کرتے ہیں ، اخلاق کے بارے میں سوال کرتے ہیں، فسلفہ ، عرفان اور تفسیر کے بارے میں سوال کرتے ہیں ،شیعہ حوزہ آج جسقدر ان سوالوں کے جواب دینے کے لئے تیار ہیں اسے پہلے کبھی ایسے نہیں تھے۔

اہل بیتؑ کی معرفت، اہل بیت کی زبانی

از: گروہ تحریر و تحقیق

حدیث ثقلین کے مطابق اہل بیت رسولؐ قرآن مجید کے ہم پلہ ہیں اور لوگوں کی ہدایت اور نجات کے لئے جس طرح قرآن مجید کی تعلیمات ضروری ہیں اسی طرح اہل بیت اطہارؑ کی سیرت اور اُسوہ پر عمل بھی ضروری ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے ان دونوں گرانقدر وسیلوں سے تمسک کرنے والوں کو دنیا وآخرت کی کامیابی کی ضمانت دی ہے اور فرمایا ہے کہ جو بھی ان دونوں سے تمسک رکھے گا اور ان کی پیروی کرے گا وہ ہرگز گمراہ نہیں ہوگا۔ اہل بیت اطہارؑ کہ جس میں سب سے پہلے خود رسول اکرم ﷺ کا نام گرامی آتا ہے، نے خود بھی مختلف فرامین میں اپنی معرفت کرائی ہے تاکہ لوگ انہیں پہچانیں اور ان کی معرفت کے بعد ان کی پیروی کریں۔ اہل بیتؑ نے اپنا تعارف کس طرح کرایا ہے، اس کے لئے فریقین کی کتب حدیث کی ایک سیر کی جائے تو معرفت اہل بیت سے متعلق فرواں روایات اور احادیث ملتی ہیں۔ یہاں انہی احادیث کو پیش کیا جارہا ہے جن میں خود اہل بیت اطہارؑ نے اپنی معرفت کرائی ہے اور اس عالم وجود میں اپنے مقام و منزلت سے لوگوں کو آگاہ کیا ہے۔ ان احادیث کو ہم "تبلیغ" کے قارئین کے لئے مختلف عنوان کے تحت یہاں پیش کرتے ہیں:

معرفت اہل بیتؑ کی قدر و منزلت

رسول اکرم ﷺ: جس شخص کو پروردگار نے میرے اہل بیتؑ کی معرفت اور محبت کی توفیق دی ہے گویا اس کے لئے تمام خیر جمع کر دیا۔[72]

رسول اکرم ﷺ: معرفت آل محمد جہنم سے نجات کا وسیلہ ہے اور حب آل محمد صراط سے گذرنے کا ذریعہ ہے اور ولایت آل محمد عذاب الٰہی سے امان ہے۔[73]

رسول اکرم ﷺ: سلمان فارسی کہتے ہیں: میں رسول اکرم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا کہ پروردگار نے ہر نبی اور رسول کے لئے بارہ نقیب معین فرمائے ہیں تو میں نے عرض کی کہ میرے ماں باپ قربان۔ ان بارہ کی معرفت کا فائدہ کیا ہے؟ فرمایا سلمان! جس نے ان کی مکمل معرفت حاصل کرلی اور اقتدا کرلی کہ ان کے دوست سے محبت کی اور دشمن سے بیزاری اختیار کی وہ خدا کی قسم ہم سے ہوگا اور وہیں وارد ہوگا جہاں ہم وارد ہوں گے اور وہیں رہے گا جہاں ہم رہیں گے۔[74]

---

[72]۔ امالی صدوق(ر) 383 /9، بشارۃ المصطفیٰ ص186

[73]۔ ینابیع المودۃ 1ص78 /16، فرائد السمطین 2ص257، احقاق الحق 18 / 496۔9/494

[74]۔ بحار الانوار 53/142۔162، 25ص6،9

امیر المومنین علی علیہ السلام: خوش بخت ترین انسان وہ ہے جس نے ہمارے فضل کو پہچان لیا اور ہمارے ذریعہ خدا کا قرب اختیار کیا اور ہماری محبت میں اخلاص پیدا کیا اور ہماری دعوت پر عمل کیا اور ہمارے روکنے سے رک گیا، یہی شخص ہم سے ہے اور جنت میں ہمارے ساتھ ہو گا۔[75]

امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ امام حسین علیہ السلام اپنے اصحاب کے مجمع میں آئے اور فرمایا کہ پرودر گار نے بندوں کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ اسے پہچانیں اس کے بعد جب پہچان لیں گے تو عبادت بھی کریں گے اور جب اس کی عبادت کریں گے تو اغیار کی عبادت سے بے نیاز ہو جائیں گے۔

ایک شخص نے عرض کی کہ معرفت خدا کا مفہوم اور وسیلہ کیا ہے؟ فرمایا ہر زمانہ کا انسان اس دور کے اس امام کی معرفت حاصل کرے جس کی اطاعت واجب کی گئی ہے (اور اس کے ذریعہ پرورد گار کی معرفت حاصل کرے)۔[76]

امام باقر علیہ السلام: خدا کو وہی شخص پہچان سکتا ہے اور اس کی عبادت کر سکتا ہے جو ہم اہل بیت علیہم السلام میں سے زمانہ کے امام کی معرفت حاصل کر لے۔[77]

زرارہ کہتے ہیں کہ میں نے امام صادق (ع) سے عرض کیا کہ ذرا معرفت امام کے بارے میں فرمائیں کہ کیا یہ تمام مخلوقات پر واجب ہے؟ فرمایا کہ پرورد گار نے حضرت محمد کو تمام عالم انسانیت کے لئے رسول اور تمام مخلوقات کے لئے اپنی حجت بنا کر بھیجا ہے لہذا جو شخص بھی اللہ اور رسول اللہ پر ایمان لائے اور ان کی تصدیق اور ان کا اتباع کرے اس پر امام اہل بیت علیہ السلام کی معرفت بہر حال واجب ہے۔[78]

سالم! میں نے امام محمد باقر (ع) سے اس آیت کریمہ کے بارے میں سوال کیا" ہم نے اپنی کتاب کا وارث اپنے منتخب بندوں کو قرار دیا ہے جن میں سے بعض اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہیں، بعض درمیانی راہ پر چلنے والے ہیں اور بعض نیکیوں کے ساتھ سبقت کرنے والے ہیں" کہ ان سب سے مراد کون لوگ ہیں"؟

فرمایا سبقت کرنے والا امام ہوتا ہے، درمیانی راہ پر چلنے والا اس کا عارف ہوتا ہے اور ظالم اس کی معرفت سے محروم شخص ہوتا ہے۔[79]

زرعہ! میں نے امام صادق (ع) سے عرض کی کہ معرفت کے بعد سب سے عظیم عمل کونسا ہے؟ فرمایا معرفت کے بعد نماز کے ہم پلہ کوئی عمل نہیں ہے اور معرفت و نماز کے بعد زکوٰۃ کے برابر کوئی کام نہیں ہے اور ان تینوں کے بعد روزہ جیسا کوئی عمل نہیں ہے اور روزہ کے بعد حج جیسا کوئی عمل نہیں ہے لیکن یہ یاد رکھنا کہ ان سب اعمال کا آغاز و انجام ہم اہل بیت علیہ السلام کی معرفت ہے اور اس کے بغیر کسی شے کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔[80]

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ہم وہ ہیں جن کی اطاعت پرورد گار نے واجب قرار دی ہے اور کسی شخص کو ہماری معرفت سے

---

[75]۔ غرر الحکم ص3297

[76]۔ علل الشرائع 9/ 1 از سلمہ بن عطاء، کنز الفوائد 1 ص328، احقاق الحق 11/ 594

[77]۔ کافی 1/ 181 از جابر

[78]۔ کافی 1 ص180 / 3

[79]۔ کافی 1 ص214/1

[80]۔ امالی طوسیؒ 694 / 1478

آزاد نہیں رکھا گیاہے اور نہ اس جہالت میں معذور قرار دیا گیاہے۔...
اگر کوئی شخص ہماری معرفت حاصل نہ کرے اور ہمارا انکار بھی نہ کرے تو بھی گمراہ رہے گا جب تک راہ راست پر واپس نہ آجائے اور ہماری اطاعت میں داخل نہ ہوجائے ورنہ اگر اسی ضلالت پر مر گیا تو پروردگار جو چاہے گا برتاؤ کرے گا۔[81]

امام صادق (ع) نے آیت کریمہ " جسے حکمت دیدی گئی اسے خیر کثیر دیدیا گیا" کی تفسیر میں ارشاد فرمایا کہ حکمت سے مراد امام کی اطاعت اور اس کی معرفت ہے۔[82]

امام صادق (ع) نے زرارہ کو یہ دعا تعلیم کرائی، خدایا مجھے اپنے معرفت عطا فرما کہ اگر میں تجھے نہ پہچان سکا تو تیرے نبی کو بھی نہ پہچان سکوں گا اور پھر اپنے رسول کی معرفت عطا فرمای کہ اگر انھیں نہ پہچان سکا تو تیری حجت کو بھی نہ پہچان سکوں گا اور پھر اپنی حجت کی معرفت عطا فرما کہ اگر اس سے محروم رہ گیا تو دین سے گمراہ ہو جاؤ گا۔[83]

امام رضا علیہ السلام ائمہ معصومین کی قبروں کی زیارت کے ذیل میں فرمایا کرتے تھے کہ سلام ہو ان پر جو معرفت خدا کا مرکز تھے... جس نے ان کو پہچان لیا اس نے خدا کو پہچان لیا اور جو ان کی معرفت سے جاہل رہ گیا وہ خدا سے بے خبر رہ گیا۔[84]

---

[81]۔کافی 1ص187 / 11

[82]۔کافی 1ص185 / 11۔از ابوبصیر

[83]۔کافی 1ص337 / 5از زرارہ

[84]۔کافی 4ص578 / 2،کامل الزیارات ص315از علی بن حسّان

مقام اہل بیت علیہ السلام

روایات میں اہل بیت اطہار کے مقام و منزلت کو چند چیزوں سے تشبیہ دیکر سمجھایا گیاہے۔ جن میں سے چند مثالیں یہ ہیں:

ا۔ مثال سفینہ نوح

حنش کنانی کا بیان ہے کہ میں نے حضرت ابوذر کو در کعبہ پکڑ کر یہ کہتے ہوئے سناہے۔ کہ جس نے مجھے پہچان لیا وہ تو جانتا ہی ہے اور اگر کسی نے نہیں پہچانا تو پہچان لے میں ابوذر ہوں اور میں نے جانتا ہی ہے اور اگر کسی نے نہیں پہچانا تو پہچان لے میں ابوذر ہوں اور میں نے رسول اکرم ﷺ کی زبان سے سناہے کہ میرے اہل بیت ﷺ کی مثال سفینہ نوح کی مثال ہے کہ جو اس پر سوار ہو گیا وہ نجات پا گیا اور جو الگ ہو گیا وہ ڈوب مرا۔[85]

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ہم سب سفینہ نجات ہیں جو ہم سے وابستہ ہو گیا نجات پا گیا اور جو الگ ہو گیا وہ ہلاک ہو گیا۔ جس کو اللہ سے کوئی حاجت طلب کرنا ہو وہ ہم اہلبیت (ع) کے وسیلہ سے طلب کرے۔[86]

امام علی (ع) نے کمیل سے فرمایا کہ کمیل رسول اکرم نے 15 رمضان کو عصر کے بعد مجھ سے یہ بات اس وقت فرمائی جب انصار و مہاجرین کا ایک گروہ سامنے تھا اور آپ منبر پر کھڑے تھے۔ یاد رکھو کہ علی (ع) اور ان کے دونوں پاکیزہ کردار فرزند مجھ سے ہیں اور میں

---

[85]۔(مستدرک 3ص163 / 4720، فرائد السمطین 2ص246۔519، ینابیع المودۃ 1ص94 /5، امالی طوسی (ر)6ص88، 733، 1532، کمال الدین ص239 / 59، احتجاج 1ص361، کتاب سلیم بن قیس 2ص937، بشارۃ المصطفیٰ ص88، رجال کشی 1ص115 / 52)۔

[86]۔(فرائد السمطین 1ص37 از ابوہریرہ، احقاق الحق 9ص203 از ارجح المطالب)۔

ان سے ہوں، یہ سب سفینۂ نجات ہیں جو ان سے وابستہ ہو گیا وہ نجات پا گیا اور جو الگ ہو گیا وہ بہک گیا، نجات پانے والے کی جگہ جنت ہے اور بھکنے والے کا ٹھکانا جہنم کے شعلے ہیں۔[87]

حضرت امیر المؤمنین (ع) نے اصحاب سے خطاب کر کے فرمایا خدا کی قسم میں نے کسی امر کی طرف اقدام نہیں کیا مگر یہ کہ میرے پاس رسول اکرم کی ہدایت موجود تھی خوشا بہ حال ان کا جن کے دلوں میں ہماری محبت راسخ ہو جائے اور اس کے وسیلہ سے ایمان کو احد سے زیادہ مستحکم اور پائیدار ہو جائے اور یاد رکھو جس کے دل میں ہماری محبت ثابت نہ ہو گی اس کا ایمان اس طرح پگھل جائے گا جس طرح پانی میں نمک گھل جاتا ہے۔

خدا کی قسم عالمین میں رسول اکرم کے نزدیک میرے ذکر سے زیادہ محبوب کوئی شے نہیں تھی اور نہ کسی نے میری طرح دونوں قبلہ کی طرف نماز پڑھی ہے۔ میں نے بلوغ سے پہلے سے نماز ادا کی ہے اور یہ فاطمہ بنت رسول جو پارہ جگر پیغمبر ہے یہ میری شریک حیات ہے اور اپنے دور میں مریم بنت عمران کی مثال ہے۔

اور تیسری بات یہ ہے کہ حسن (ع) و حسین (ع) جو اس امت میں سبط رسول ہیں اور پیغمبر کے لئے دونوں آنکھوں کی حیثیت رکھتے ہیں جس طرح میں آپ کے لئے دونوں ہاتھوں کی جگہ پر تھا اور فاطمہ (ع) آپ کے وجود میں قلب کی حیثیت رکھتی تھیں، ہماری مثال سفینہ نوح کی ہے کہ جو اس پر سوار ہو گیا وہ نجات پا گیا اور جو الگ رہ گیا وہ ڈوب مرا۔[88]

اسی طرح ایک اور مقام پر امیر المؤمنین (ع) کا ارشاد ہے کہ جس نے ہمارا اتباع کر لیا وہ نیکیوں کی طرف آگے بڑھ گیا اور جو ہمارے علاوہ کسی دوسرے سفینہ پر سوار ہو گیا وہ غرق ہو گیا۔[89]

امام زین العابدین (ع) فرماتے ہیں: ہم ہیں جو شدتوں کی گہرائیوں میں چلنے والے سفینوں کی حیثیت رکھتے ہیں کہ جو ان سے وابستہ ہو گیا وہ محفوظ ہو گیا اور جس نے انھیں چھوڑ دیا وہ غرق ہو گیا۔[90]

امام صادق (ع) فرماتے ہیں کہ حضرت علی (ع) بن الحسین (ع) زوال آفتاب کے وقت نماز کے بعد یہ دعا پڑھتے تھے اور اس طرح صلوات بھیجتے تھے۔

"خدایا محمد و آل محمد پر رحمت نازل فرما جو نبوت کے شجر اور رسالت کے مرکز تھے، ان کے گھر ملائکہ کی آمد و رفت تھی اور وہ علم کے خزانہ دار اور وحی کے اہل بیت (ع) تھے، خدایا آل محمد پر رحمت نازل فرما جو شدتوں کے سمندروں میں نجات کے سفینے تھے کہ جو ان سے وابستہ ہو گیا وہ محفوظ ہو گیا اور جس نے انھیں چھوڑ دیا وہ غرق ہو گیا، ان سے آگے بڑھ جانے والا دین سے نکل جاتا ہے اور ان سے دور رہ جانے والا ہلاک ہو جاتا ہے۔ بس ان سے وابستہ ہو جانے والا ہی ان کے ساتھ رہتا ہے۔[91]

---

[87]۔ بشارۃ المصطفیٰ ص30 از بصیر بن زید بن ارطاۃ

[88]۔ کتاب سلیم بن قیس 2 / 830

[89]۔ غرر الحکم ص7894، 7893

[90]۔ ینابیع المودۃ 1 ص76 / 12

[91]۔ جمال الاسبوع ص251

2۔ مثال باب حطّہ

حضرت رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ تمھارے درمیان میرے اہلبیت (ع) کی مثال بنیا سرائیل میں باب حطہ کی ہے کہ جو اس میں داخل ہو گیا اسے بخش دیا گیا۔[92]

ایک اور مقام رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جو میرے دین کو اختیار کرے اور میرے راستہ پر رہے اور میری سنّت کا اتباع کرے اس کا فرض ہے کہ ائمہ اہلبیت (ع) کو تمام امت پر مقدم رکھے کہ ان کی مثال اس امت میں .بني اسرائیل کے باب حطّہ جیسی ہے۔[93]

ایک مشہور روایت کے مطابق رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ میرے بعد بارہ امام ہوں گے جن میں سے نو صلب حسین (ع) سے ہوں گے اور نواں قائم ہو گا، یاد رکھو ان سب کی مثال سفینہ نوح کی ہے کہ جو سوار ہو گیا وہ نجات پا گیا اور جو الگ رہ گیا وہ ہلاک ہو گیا اور ان کی مثال .بني اسرائیل کے باب حطہ جیسی ہے۔()۔[94]

عباد بن عبد اللہ لا سدی کا بیان ہے کہ میں مقام رحبہ میں امیر المؤمنین (ع) کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص نے آکر اس آیت کے معنی دریافت کرے... کیا وہ شخص جو پروردگار کی طرف سے دلیل رکھتا ہو اور اس کے ساتھ اس کا گواہ بھی ہو... تو آپ نے فرمایا کہ قریش کے کسی شخص پر لمحات عقیقہ کا گذر نہیں ہوا مگر اس کے بارے میں قرآن میں کچھ نہ کچھ نازل ضرور ہوا ہے۔ خدا کی قسم یہ لوگ ہم اہلبیت (ع) کے فضائل اور رسول اکرم کی زبان سے بیان ہونے والے مناقب کو سمجھ لیں تو یہ ہمارے لئے اس وادی رحبہ کے سونے چاندی سے بھر جانے سے زیادہ قیمتی ہے۔ خدا کی قسم اس امت ہماری مثال سفینہ نوح (ع) کی ہے اور نبي اسرائیل کے باب حطہ کی ہے۔[95]

ابو سعید خدری، کی روایت میں منقول ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے نماز جماعت پڑھائی اور اس کے بعد قوم کی طرف رخ کرکے ارشاد فرمایا: میرے صحابیو! میرے اہلبیت (ع) کی مثال تمھارے درمیان کشتی نوح (ع) اور باب حطہ کی ہے لہذا میرے بعد ان اہلبیت (ع) اور میری ذریت کے ائمہ راشدین سے متمسک رہنا کہ اس طرح کبھی بھی گمراہ نہیں ہو سکتے ہو۔

لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ، آپ کے بعد کتنے امام ہوں گے؟ فرمایا کہ میرے اہلبیت (ع) اور میری عترت میں بارہ امام ہوں گے۔ فرمایا کہ میرے اہلبیت (ع) اور میری عترت میں بارہ امام ہوں گے۔[96] اسی طرح بقول امام علی (ع): ہم باب حطہ اور باب السلام ہیں، جو اس دروازہ میں داخل ہو جائے گا نجات پائے گا اور جو اس سے الگ رہ جائے گا وہ گمراہ ہو جائے گا۔[97]

امام علی (ع) نے یہ بھی فرمایای:۔ آگاہ ہو جاؤ کہ جو علم لے کر آدم آئے تھے اور جو فضائل تمام انبیاء و مرسلین کو دیئے گئے ہیں وہ سب

۔ المعجم الاوسط 6 ص 85 / 5870، المعجم الصغیر 2 ص 22، صواعق محرقہ ص 152، غیبت نعمانی [92] ص 44

[93]۔ امالی صدوق 69 / 6 تنبیہ الخواطر 2 ص 156

[94]۔ مناقب ابن شہر آشوب 1 ص 295، کفایۃ الاثر ص 38 از ابوذر

۔ کنز العمال 2 ص 434 / 4429، امالی مفید 145 / 5 شرح الاخبار 2 ص 480، 843 تفسیر [95] فرات کوفی ص 190 / 243

[96]۔ کفایۃ الاثر ص 33۔34

۔ خصال 626 / 10 از ابو بصیر و محمد بن مسلم از امام صادق (ع) تفسیر فرات کوفی 367 / [97] 499، غرر الحکم 10002

خاتم النبیین کی عترت میں موجود ہیں تو تمھیں کہاں گمراہ کیا جارہا ہے اور تم کہاں چلے جارہے ہو؟ اے اصحاب سفینہ کی اولاد، تمھارے درمیان وہ مثال موجود ہے کہ جس طرح اس سفینہ پر سوار ہونے والے نجات پاگئے تھے اسی طرح عترت سے تمسک کرنے والے نجات پاجائیں گے اور میں اس کا ذمہ دار ہوں، ویل ہے ان کے لئے جو ان سے الگ ہوجائیں، ان کی مثال اصحاب کہف اور باب حطہ جیسی ہے۔ یہ سب باب السلام ہیں لہذا سلم میں داخل ہوجاؤ اور خبردار شیطان کے اقدامات کی پیروی نہ کرنا۔[98]

امام محمد باقر (ع) نے فرمایای: ہم تمھارے لئے باب حطہ ہیں۔[99]

3۔ مثال خانۂ خدا

حضرت رسول اکرم ﷺ نے امام علی (ع) سے فرمایا کہ یا علی (ع) تمھاری مثال بیت اللہ کی مثال ہے کہ جو اس میں داخل ہوگیا وہ عذاب الٰہی سے محفوظ ہوگیا اور اسی طرح جس نے تم سے محبت کی اور تمہاری ولایت کا اقرار کیا وہ عذاب جہنم سے محفوظ ہوگیا اور جس نے تم سے بغض رکھا وہ جہنم میں ڈال دیا گیا۔ یا علی (ع) لوگوں کا فریضہ ہے کہ خانۂ خدا کا ارادہ کریں اگر ان میں استطاعت پائی جاتی ہے لیکن اگر کوئی مجبور ہے تو اس کا عذر اس کے ساتھ ہے یا اگر فقیر ہے تو معذور ہے یا اگر مریض ہے تو معذور ہے لیکن تمھاری محبت اور ولایت میں کوتاہی کرنے والے کو ہرگز معاف نہیں کیا جائیگا چاہے فقیر ہو یا غنی۔ بیمار ہو یا صحیح، اندھا ہو یا بصارت والا۔[100]

4۔ مثال نجوم فلک

جناب رسول اکرم ﷺ سے منقول ہے کہ جس طرح ستارے اہل زمین کے لئے ڈوبنے سے بچنے کا ذریعہ ہیں اسی طرح ہمارے اہلبیت (ع) اختلاف سے بچنے کا وسیلہ ہیں لہذا جب بھی عرب کا کوئی قبیلہ ان سے اختلافات کرے گا وہ شیطان کے گروہ میں شامل ہوجائے گا۔[101]

اسی طرح ایک اور حدیث میں رسول اکرم ﷺ نے امام علی (ع) سے فرمایا۔ یا علی (ع)! تمھاری اور تمھاری اولاد کے ائمہ کی مثال سفینہ نوح کی ہے کہ جو اس سفینہ پر سوار ہوگیا نجات پاگیا اور جو اس سے الگ رہ گیا وہ ہلاک ہوگیا اور پھر تمھاری مثال آسمان کے ستاروں کی ہے کہ جب ایک ستارہ غائب ہوتا ہے تو دوسرا طالع ہوجاتا ہے اور یہ سلسلہ یونہی قیامت تک جاری رہے گا۔[102]

کچھ محدثین نے نقل کیا ہے کہ جناب رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اہلبیت (ع) کی مثال میری امت میں آسمان کے ستاروں جیسی ہے کہ جب ایک ستارہ غائب ہوتا ہے تو دوسرا نکل آتا ہے یہ سبب امام ہادی اور مہدی ہیں، انھیں نہ کسی کا مکر نقصان پہنچاسکتا ہے اور نہ کسی کا انحراف بلکہ یہ کام انحراف کرنے والوں ہی کو نقصان پہنچائے گا۔ یہ

---

[98] ۔ تفسیر عیاشی 1 ص102 / 300، از مسعدہ بن صدقہ، الغیبتہ نعمانی ص44، ینابیع المودۃ 1 ص 332 / 4 المسترشدہ ص406

[99] ۔ تفسیر عیاشی 1 ص47 از سلیمان جعفری از امام رضا (ع)، مجمع البیان 1 ص 247

[100] ۔ خصائص الائمہ ص77 از عیسیٰ بن المنصور

[101] ۔ مستدرک 3 ص162 / 4715

[102] ۔ امالی صدوق (ر) ص22 / 18، کمال الدین ص 241 / 65، بشارۃ المصطفیٰ ص32، جامع الاخبار 52 / 59، مائتہ منقبہ ص65، فرائد السمطین ص243، 517 از ابن عباس

سب زمین پر اللہ کی حجت ہیں اور اس کی مخلوقات پر اس کے گواہ ہیں۔ جو ان کی اطاعت کرے گا اس نے گویا اللہ کی اطاعت کی اور جو ان کی نافرمانی کرے گا اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ یہ قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن ان کے ساتھ ہے۔ نہ یہ اس سے الگ ہوں گے۔ اور نہ وہ ان سے الگ ہو گا یہاں تک کہ دونوں حوض کوثر پر میرے پاس وارد ہو جائیں۔ ان ائمہ میں سب سے پہلا میرا بھائی علی (ع) ہے، اس کے بعد میرا فرزند حسن (ع)، اس کے بعد میرا فرزند حسین (ع)، اس کے بعد اولاد حسین (ع) کے نو افراد۔[103]

5۔ مثال دو چشم

جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل بیتؑ کو دو آنکھوں سے تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا؛ دیکھو میرے اہلبیت (ع) کو اپنے درمیان وہی جگہ دو جو جسم میں سر کی اور سر میں دونوں آنکھوں کی ہوتی ہے کہ جسم سر کے بغیر اور سر آنکھوں کے بغیر ہدایت نہیں پا سکتا ہے۔[104]

آگاہی از عدم معرفت اہلبیت (ع)

رسول اکرم جو اس حال میں مر جائے کہ اس کے سر پر کوئی امام نہ ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے۔[105] ایک اور مقام پر

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اس حالت میں مر جائے کہ اس کی گردن میں کوئی بیعت نہ ہو وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے۔[106]

اسی طرح رسول اکرم سے یہ بھی منقول ہے کہ جو شخص اس حالت میں مر جائے کہ اس کے پاس میری اولاد میں سے کوئی امام نہ ہو وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے اور اس نے جاہلیت یا اسلام میں جو کچھ کیا ہے سب کا حساب لیا جائے گا۔[107]

ابان بن عیاش نے سلیم بن قیس الہلالی سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے سلمان، ابوذر اور مقداد سے یہ حدیث سنی ہے کہ رسول اکرم نے فرمایا کہ جو شخص مر جائے اور اس کا کوئی امام نہ ہو تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوتی ہے۔ اس کے بعد اس حدیث کو جابر اور ابن عباس کے سامنے پیش کیا تو دونوں نے تصدیق کی اور کہا کہ ہم نے بھی سرکار دوعالم سے سنا ہے اور سلمان نے تو حضور سے یہ بھی سوال کیا تھا کہ یہ امام کون ہوں گے؟ تو فرمایا کہ میرے اوصیاء میں ہوں گے اور جو بھی میری امت میں ان کی معرفت کے بغیر مر جائے گا وہ جاہلیت کی موت مرے گا، اب اگر ان سے بے خبر اور ان کا دشمن بھی ہو گا تو مشرکوں میں شمار ہو گا اور اگر صرف جاہل ہو گا نہ ان کا دشمن اور نہ

103۔ الغیبتہ النعمانی 84 / 12، کتاب سلیم بن قیس 2/686 / 14، فضائل ابن شاذان ص 114، مشارق انوار الیقین ص 192

104۔ امالی طوسی (ر) 48 / 1053، کشف الغمہ 2 ص 35 از ابوذر، کفایۃ الاثر ص 111 از واثلہ بن الاسقع

۱۰۵۔ کافی 1 ص 397 / از سالم بن ابی حفصہ، 8 ص 146 / 123 از بشیر کناسی، المعجم الاوسط 6 ص 70 / 5820، مسند ابویعلیٰ 13 ص 366 / 7375، از معاویہ، المعجم الکبیر 10 ص 289 / 1687 از ابن عباس)۔ 130۔ رسول اکرم جو امام کی معرفت کے بغیر مر جائے وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے۔ (کافی 2 ص 20 / 6، ثواب الاعمال ص 244 / 1، المحاسن 1 ص 252 / 475 از عیسیٰ بن السری

106۔ صحیح مسلم 3 ص 1478 / 58، السنن الکبریٰ 8 ص 270 / 16612 از عبداللہ بن عمر، المعجم الکبیر 19 ص 334 / 769 از معاویہ۔

107۔ عیون اخبار الرضا 2 ص 58 / 214 از ابو محمد الحسن بن عبداللہ الرازی التمیمی، کنز الفوائد 1 ص 327۔

ان کے دشمنوں کا دوست تو جاہل ہو گا لیکن مشرک نہ ہو گا۔[108]
عیسیٰ بن السری کا بیان ہے کہ میں نے امام جعفر صادق (ع) سے سوال کیا کہ مجھے ارکان دین اسلام سے باخبر کریں تاکہ انھیں اختیار کرلوں تو میرا عمل پاکیزہ ہو جائے اور پھر باقی چیزوں کی جہالت نقصان نہ پہنچا سکے؟ تو فرمایا کہ " لا الہ الا اللہ " محمد رسول اللہ کی شہادت اور ان تمام چیزوں کا اقرار جنھیں پیغمبر لے کر آئے تھے اور اموال سے زکوٰۃ ادا کرنا اور ولایت آل محمد جس کا خدا نے حکم دیا ہے کہ رسول اکرم نے صاف فرمایا ہے جو اپنے امام کی معرفت کے بغیر مر جائے وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے اور مالک کائنات بھی ارشاد فرمایا ہے کہ " اللہ کی اطاعت کرو اور رسول اور اولی الامر کی اطاعت کرو اور اولیاء امر میں پہلے علی (ع) اس کے بعد حسن (ع)، اس کے بعد حسین (ع)، اس کے بعد علی (ع) بن الحسین (ع)، اس کے بعد محمد (ع) بن علی (ع) اور یہ سلسلہ یونہی جاری رہے گا اور زمین امام کے بغیر باقی نہیں رہ سکتی ہے اور جو شخص بھی امام کی معرفت کے بغیر مر جائے گا وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔[109]
امام محمد باقر (ع) فرماتے ہیں: جو شخص بھی اس امت میں امام عادل کے بغیر زندہ رہے گا وہ گمراہ اور بہکا ہوا ہو گا اور اگر اسی حال میں مر گیا تو کفر و نفاق کی موت مرے گا۔[110]
امام صادق (ع): رسول اکرم کا ارشاد ہے کہ جو شخص بھی اپنے امام کی معرفت کے بغیر مر جائے گا وہ جاہلیت کی موت مرے گا لہذا تمھارا فرض ہے کہ تم امام کی اطاعت کرو۔ تم نے اصحاب علی (ع) کو دیکھا ہے اور تم ایسے امام کے تابع ہو جس سے بے خبر رہنے میں کوئی شخص معذور نہیں ہے۔ قرآن کے تمام مناقب ہمارے لئے ہیں۔ ہم وہ قوم ہیں جن کی اطاعت اللہ نے واجب قرار دی ہے۔ انفاق اور منتخب اموال ہمارا ہی حصہ ہیں۔[111] امام صادق (ع): جو شخص بھی اس حال میں مر جائے کہ اس کی گردن میں کسی امام کی بیعت نہ ہو وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے۔[112]
امام موسیٰ کاظم (ع)! جو شخص اپنے امام کی معرفت کے بغیر مر جائے وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے اور اس سے جملہ اعمال کا محاسبہ کیا جائے گا۔[113]
امام رضا (ع): جو شخص بھی ائمہ اہلبیت (ع) کی معرفت کے بغیر مر جائے وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے۔[114]

احادیث تنبیہ کی تحقیق

تمام مسلمانوں کا اس نقطہ پر اتفاق ہے کہ جن روایات نے اس مضمون کی نشاندہی کی ہے کہ امام کے بغیر مرنے والا جاہلیت کی موت مرتا ہے۔ قطعی طور پر سرکار دو عالم (ع) سے صادر ہوئی ہیں اور ان میں کسی طرح کے شک اور شبہہ کی گنجائش نہیں ہے۔ مفہوم

---

[108]۔ کمال الدین 413 / 15۔
[109]۔ کافی 2 ص 21 / 9، تفسیر عیاشی 1 ص 252 / 175، از یحییٰ بن السّری
[110]۔ کافی 1 ص 375 / 2 از محمد بن مسلم۔
[111]۔ محاسن 1 ص 251 / 474 از بشیر الدہّان۔
[112]۔ اعلام الدین ص 459) 138۔
[113]۔ مناقب ابن شہر آشوب 4 ص 295 از ابو خالد
[114]۔ (عیون اخبار الرضا (ع) 2 ص 122 / 1 از فضل بن شاذان، الکافی 1 ص 376، محاسن 1 ص 251، بحار الانوار 23 / 76)۔

اور مقصود میں اختلاف ہو سکتا ہے لیکن اصل مضمون میں کسی طرح کا اختلاف نہیں ہے کہ یہ مضمون اس قدر شہرت اور اعتبار پیدا کر چکا تھا کہ حکام ظلم و جور بھی اس کا انکار نہ کر سکے اور بدرجۂ مجبوری تحریف و ترمیم پر اتر آئے۔ جیسا کہ علامہ امینی طاب ثراہ نے ان احادیث کو صحاح اور مسانید نے محفوظ کیا ہے لہذا اس کے مضمون کے آگے سر تسلیم خم کرنے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں ہے اور کسی مسلمان کا اسلام اس کے مقصود کو تسلیم کئے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا ہے۔ اس حقیقت میں نہ دورائے ہے اور نہ کسی ایک نے شک و شبہہ کا اظہار کیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ بغیر امام مرنے والے کا

انجام بدترین انجام ہے اور اس کے مقدر میں کسی طرح کی کامیابی اور فلاح نہیں ہے۔ جاہلیت کی موت سے بدتر کوئی موت نہیں ہے کہ یہ موت درحقیقت کفر و الحاد کی موت ہے اور اس میں کسی اسلام کا شائبہ بھی نہیں ہے۔[115]

رہ گیا حدیث کا مفہوم تو اس کی وضاحت کے لئے دور جاہلیت کی تشریح ضروری ہے اور اس کے بغیر مسئلہ کی مکمل توضیح نہیں ہو سکتی ہے قرآن مجید اور احادیث اسلامی میں رسول اکرم کے دور بعثت کو علم وہدایت

کا دور اور اس کے پہلے کے زمانہ کو جہالت اور ضلالت کا دور قرار دیا گیا ہے، اس لئے کہ اس دور میں آسمانی ادیان میں تحریف و ترمیم کی بناپر راہ ہدایت و ارشاد کا پالینا ممکن نہ تھا۔ اس دور میں انسانی سماجمیں دین کے نام پر جو نظام چل رہے تھے وہ سب اوہام و خرافات کا مجموعہ تھے اور یہ تحریف شدہ ادیان و مذاہب حکام ظلم و جور کے ہاتھوں میں

[115]۔ الغدیر 10 ص 360۔

بہترین حربہ کی حیثیت رکھتے تھے جن کے ذریعہ انسانوں کے مقدرات پر قبضہ کیا جاتا تھا اور انھیں اپنی خواہشات کے اشارہ پر چلایا جارہا تھا۔ لیکن اس کے بعد جب سرکار دوعالم کی بعثت کے زیر سایہ علم وہدایت کا آفتاب طلوع ہوا تو آپ کی ذمہ داریوں میں اہم ترین ذمہ داری ان اوہام و خرافات سے جنگ کرنا اور حقائق کو واضح و بے نقاب کرنا تھا، چنانچہ آپ نے ایک مہربان باپ کی اطرح امت کی تعلیم و تربیت کا کام شروع کیا اور صاف لفظوں میں اعلان کر دیا کہ میں تمھارے باپ جیسا ہوں اور تمھاری تعلیم کا ذمہ دار ہوں۔[116]

آپ کا پیغام عقل و منطق سے پوری طرح ہم آہنگ تھا اور اس کی روشنی میں صاحبان علم کے لئے صداقت تک پہنچنا بہت آسان تھا اور وہ صاف محسوس کر سکتے تھے کہ اس کا رابطہ عالم غیب سے ہے۔ آپؐ برابر لوگوں کو تنبیہ کیا کرتے تھے کہ خبردار جن چیزوں کو عقل و منطق نے ٹھکرادیا ہے۔ ان کا اعتبار نہ کریں کہ بغیر علم و اطلاع کے کسی چیز کے پیچھے نہ دوڑ پڑی۔[117]

اس تمہید سے یہ بات مکمل طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ ہر دور کے امام کی معرفت انسانوں کا انفرادی مسئلہ نہیں تھی کہ اگر کوئی شخص امام کی معرفت حاصل کئے بغیر مرجائے گا تو صرف اس کی موت جاہلیت کی موت ہو جائے گی بلکہ در اصل یہ ایک اجتماعی اور پوری امت کی زندگی کا مسئلہ تھا کہ بعثت پیغمبر اسلام کے سورج کے طلوع کے ساتھ جو علم و معرفت کا دور شروع ہوا ہے اس کا استمرار اس وقت تک ممکن

[116]۔ مسند ابن حنبل 3 ص 53 / 7413، سنن نسائی 1 ص 38، سنن ابن ماجہ 1 ص 114۔ 313، الجامع الصغیر 1 ص 394 / 2580۔

[117]۔ سورہ اسراء آیت 36

نہیں ہے جب تک مسلمان اپنے دور کے امام کو پہچان کر اس کی اطاعت نہ کرلیں۔

یاواضح الفاظ میں یوں کہا جائے کہ امامت ہی اس عصر علم وعرفان کی تنہا ضمانت ہے جو سرکار دو(ع)عالم کی بعثت کے ساتھ شروع ہوا ہے اور اس ضمانت کے مفقود ہوجانے کا فطری نتیجہ اس دور اسلام و عرفان کا خاتمہ ہوگا جس کا لازمی اثر دور جاہلیت کی واپسی کی صورت میں ظاہر ہوگا اور پورا

معاشرہ جاہلیت کی موت مرجائے گا جس کی طرف قرآن مجید نے خود اشارہ کیا تھا کہ مسلمانو۔ دیکھو محمد اللہ کے رسول کے علاوہ اور کچھ نہیں ہیں اور ان سے پہلے بہت سے رسول گذر چکے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ مرجائیں یا قتل ہوجائیں تو تم الٹے پاؤں جاہلیت کی طرف پلٹ جاو" گویا مسلمانوں میں جاہلیت کی طرف پلٹ جانے کا اندیشہ تھا اور سول اکرم اس کا علاج معرفت امام کے ذریعہ کرنا چاہتے تھے اور ابار بار اس امر کی وضاحت کردی تھی کہ امت دوبارہ جاہلیت کی دلدل میں پھنس سکتی ہے اور جاہلیت کی موت مرسکتی ہے اور اس کا واحد سبب امامت وقیادت امام عصر(ع)سے انحراف کی شکل میں ظاہر ہوگا۔

کس امام کی معرفت؟

اگر گذشتہ احادیث میں ذرا غور وفکر کرلیا جائے تو اس سوال کا جواب خود بخود واضح ہوجائے گا کہ سرکار دوعالم نے کس امام اور کس طرح کے امام کی معرفت کو ضروری قرار دیا ہے کہ جس کے بغیر نہ اصلی اسلام باقی رہ سکتا ہے اور نہ جاہلیت کی طرف پلٹ جانے کا خطرہ ٹل سکتا ہے۔

کیا یہ ممکن ہے کہ اس معرفت سے مراد ہر اس شخص کی معرفت اور اس کا اتباع ہو جو اپنے بارے میں امامت کا دعویٰ کردے اور اسلامی سماج کی زمام پکڑ کر بیٹھ جائے اور باقی افراد اس کی اطاعت نہ کرکے جاہلیت کی موت مرجائیں اور اس کے کردار کا جائزہ نہ لیا جائے اور اس ظلم کو نہ دیکھا جائے جو انسان کو ان اماموں میں قرار دیدیتا ہے جو جہنم کی دعوت دینے والے ہوتے ہیں؟

ائمہ جور نے ہر دور تاریخ میں یہی کوشش کی ہے کہ حدیث کی ایسی ہی تفسیر کریں اور اسے اپنے اقتدار کے استحکام کا ذریعہ قرار دیں چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اس کے راویوں میں ایک معاویہ بھی شامل ہے جسے اس حدیث کی سخت ضرورت تھی اور کھلی ہوئی بات ہے کہ جب روایت بیان کردیگا تو درباری علماء اس کی ترویج وتبلیغ کا کام شروع کردیں گے اور اس طرح حدیث کی روشنی میں معاویہ جیسے افراد کی حکومت کو مستحکم ومضبوط بنادیا جائے گا۔ اگرچہ یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ یہ صرف لفظی بازی گری ہے اور اس کا تفسیر وتشریح حدیث سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ اسے خطائے اجتہادی کہا جاسکتا ہے اور نہ سوء فہم بھلا کون یہ تصور کرسکتا ہے کہ عبداللہ بن عمر کا بیعت امیر المومنین(ع)سے انکار کردینا کسی بصیرت کی کمزوری یا فکر کی سطحیت کا نتیجہ تھا اور انھیں آپ کی شخصیت کا اندازہ نہیں تھا اور راتوں رات دوڑ کر حجاج بن یوسف کے دربار میں جاکر عبدالملک بن مروان کے لئے بیعت کرلینا واقعاً اس احتیاط کی بناپر تھا کہ کہیں زندگی کی ایک رات بلا بیعت امام نہ گذر جائے اور ارشاد پیغمبر کے مطابق جاہلیت کی موت نہ واقع ہوجائے جیسا کہ ابن ابی الحدید نے بیان کیا ہے کہ عبداللہ نے پہلے حضرت علی(ع)کی بیعت سے انکار کردیا اور اس کے

بعد ایک رات حجاج بن یوسف کا دروازہ کھٹکھٹانے لگے تا کہ اس کے ہاتھ خلیفہ وقت عبد الملک بن مروان کے لئے بیعت کرلیں کہیں ایسا نہ ہو کہ ایک رات بلا بیعت امام گذر جائے جبکہ سرکار دو عالم نے فرمایاہے کہ اگر کوئی بیعت امام کے بغیر مرجائے تو جاہلیت کی موت مرتاہے، اور حجاج نے بھی اس جہالت اور پست فطرتی کا اس انداز سے استقبال کیا کہ بستر سے پیر نکال دیا کہ اس پر بیعت کرلو، تم جیسے لوگ اس قابل نہیں ہو کہ ان سے ہاتھ پر بیعت لی جائے۔[118] کھلی ہوئی بات ہے کہ جو حضرت علی (ع) کو امام تسلیم نہ کرے گا اس کا امام عبد الملک بن مروان ہی ہو سکتاہے جس کی بیعت سے انکار انسان کو جاہلیت مار سکتاہے

اور اس کے ضروری ہے کہ رات کی تاریکی میں انتہائی ذلت نفس کے ساتھ حجاج بن یوسف جیسے جلاد کے دروازہ پر حاضری دے اور عبد الملک جیسے بے ایمان کی خلافت کے لئے بیعت کرلے اور اس کا آخری نتیجہ یہ ہو کہ اس یزید کو بھی حدیث مذکور کا مصداق قرار دیدے جس کے دونوں ہاتھ اسلام اور آل رسول کے خون سے رنگین ہوں۔

مورخین کا بیان ہے کہ اہل مدینہ نے ۶۳ھ میں یزید کے خلاف آواز بلند کی اور اس کے نتیجہ میں واقعہ حرہ پیش آگیا جس کے بعد عبد اللہ بن عمر نے اس انقلاب میں قریش کے قائد عبد اللہ بن مطیع کے پاس حاضر ہو کر کچھ کہنا چاہاتو عبد اللہ نے ان کے لئے تکیہ لگوا کر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور ابن عمر نے فرمایا کہ میں بیٹھنے نہیں آیاہوں۔ میں صرف یہ حدیث پیغمبر سنانے آیا

[118]۔ شرح نہج البلاغہ 13 ص242

ہوں کہ اگر کسی کے ہاتھ اطاعت سے الگ ہوگئے تو وہ روز قیامت اس عالم میں محشور ہوگا کہ اس کے پاس کوئی دلیل نہ ہوگی اور کوئی دلیل نہ ہوگی اور کوئی اپنی گردن میں بیعت امام رکھے بغیر مرگیا تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔[119] ذرا ملاحظہ فرمائیے کہ اس ضمیر فروش انسان نے کس طرح حدیث شریف کا رخ بالکل ایک متضاد جہت کی طرف موڑ دیا اور اسے یزید کی حکومت کی دلیل بنادیا جس موذی مرض کی طرف رسول اکرم نے اس حدیث میں اور دیگر متعدد احادیث میں اشارہ

کیا تھا اور آپ کا مقصد تھا کہ لوگ ائمہ حق وہدایت کی اطاعت کریں لیکن ارباب باطل وتحریف نے اس کا رخ ہی بدل دیا اور اسے باطل کی ترویج کا ذریعہ بنالیا اور اس طرح اسلامی احادیث ہی کو اسلام کی عمارت کے منہدم کرنے کا وسیلہ بنادیا اور دھیرے دھیرے اسلام اور علم کا وہ دور گذر گیا اور امت اسلامیہ ائمہ حق وانصاف کی بے معرفتی اور ان کے انکار کے نتیجہ میں جاہلیت کی طرف پلٹ گئی اور جاہلیت وکفر کی موت کا

سلسلہ شروع ہوگیا جب کہ روایات کا کھلا ہوا مفہوم یہ تھا کہ آپ امت کو اس امر سے آگاہ فرمارہے تھے کہ خبر دار ائمہ اہلبیت (ع) کی امامت وقیادت سے غافل نہ ہو جانا اور اہلبیت (ع) سے تمسک کو نظر انداز نہ کردینا کہ اس کا لازمی نتیجہ دور علم وہدایت کا خاتمہ اور دور کفر وجاہلیت کی واپسی کی شکل میں ظاہر ہوگا جس کی طرف حدیث

۱۴۸۔ صحیح مسلم 3 / 1478 / 1851۔

ثقلین، حدیث غدیر اور دوسری سینکڑوں حدیثوں میں اشارہ کیا گیا تھا اور ائمہ اہلبیت (ع) سے تمسک کا حکم دیا گیا تھا۔

روز قیامت منزلت اہلبیت (ع)

رسول اکرم نے فرمایا: سب سے پہلے میرے پاس حوض کوثر پر میرے اہلبیت (ع) وارد ہوں گے اور امت میں میرے واقعی چاہنے والے۔[120]

رسول اکرم! تم میں سب سے پہلے میرے پاس حوض کوثر پر وارد ہونے والا اور سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والا علی (ع) بن ابی طالب (ع)

ہے۔[121]

امام علی (ع): میرے پاس رسول اکرم تشریف لے آئے جب میں بستر پر تھا، آپ سے حسن (ع) یا حسین (ع) نے پانی مانگا اور آپ نے بکری کو دوہ کر دینا چاہا کہ دوسرا بھائی سامنے آیا، آپ نے اسے سامنے سے ہٹا دیا تو فاطمہ زہرا نے کہا کہ کیا وہ آپ کو زیادہ محبوب ہے؟ فرمایا نہیں بات یہ ہے کہ اس نے پہلے تقاضا کیا ہے اور یاد رکھو کہ میں۔ تم اور بستر پر آرام کرنے والا سب روز قیامت ایک مقام پر ہوں گے۔[122]

امیر المومنین (ع) فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اکرم نے فرمایا کہ جنت میں سب سے پہلے ہیں۔ فاطمہ (ع)، حسن (ع) اور حسین (ع)

داخل ہوں گے تو میں نے عرض کی اور ہمارے چاہنے والے؟ فرمایا تمھارے پیچھے پیچھے۔[123]

رسول اکرم! ہم۔ علی (ع)۔ فاطمہ (ع)۔ حسن (ع) اور حسین (ع) سب روز قیامت زیر عرش الٰہی ایک قبہ میں ہوں گے۔[124]

حذیفہ سے منقول ہے کہ میری والدہ نے پوچھا کہ تمھارا رسول اکرم کا ساتھ کب سے ہے؟ میں نے عرض کی فلاں وقت سے اس نے مجھے بُرا بھلا کہا تو میں نے کہا اللہ خاموش ہو جایئے۔ میں رسول اکرم کے ساتھ نماز مغرب کے لئے جا رہا ہوں، نماز کے بعد ان سے درخواست کروں گا کہ

میرے اور آپ کے لئے دعائے مغفرت کریں۔ یہ کہہ کر میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مغرب و عشاء کی نماز ادا کی، اس کے بعد آپ جانے لگے تو میں ساتھ ہولیا۔ راستہ میں ایک شخص مل گیا اس سے آپ نے باتیں کیں۔ پھر روانہ ہوگئے اور میں پھر ساتھ چلا، ایک مرتبہ میری

آواز سن کر فرمایا کون؟ میں نے عرض کی حذیفہ۔ فرمایا کیوں آئے؟ میں نے ماجرا بیان کیا۔ فرمایا خدا تمھیں اور تمھاری

---

[120]۔السنہ لابن ابی عاصم324 / 748، کنز العمال12 / 100 / 34178۔
۔مستدرک 3ص147 / 2662، تاریخ بغداد2ص81، مناقب ابن المغازلی16 / 22،
[121]مناقب خوارزمی52 / 15
۔مسند ابن حنبل1ص217 / 792از عبد الرحمان ازرق، المعجم الکبیر3ص41 / 2622از ابی فاختہ، مسند ابوداؤد طیالسی26 / 190، تاریخ دمشق حالات امام حسن (ع)110 / 182۔
118[122]

۔مستدرک 3ص164 / 4723از عاصم بن ضمرہ، ذخائر العقبیٰ ص123، بشارۃ المصطفیٰ ص46
۔[123]
۔کنز العمال12ص100 / 34177، مجمع الزوائد9ص276 / 15022، شرح الاخبار3ص
[124]4 / 914از ابوموسیٰ اشعری، مناقب خوارزمی303 / 298، بشارۃ المصطفیٰ ص48۔

ماں کو بخش دے۔ کیا تم نے راستہ میں ملنے والے کو بھی دیکھا ہے؟ عرض کی بیشک! فرمایا یہ ایک فرشتہ ہے جو آج پہلی مرتبہ آسمان سے نازل ہوا ہے اور یہ خدا سے اجازت لے کر مجھے سلام کرنا چاہتا تھا اور یہ بشارت دینا چاہتا تھا کہ حسن (ع) و حسین (ع) جوانان جنت کے سردار ہیں۔ اور فاطمہ (ع) جنت کی تمام عورتوں کی سردار ہیں اور پروردگاران سب سے راضی ہے۔[125]

رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: میں ایک شجر ہوں اور فاطمہ (ع) اس کی شاخ ہے اور علی (ع) اس کا شگوفہ ہے اور حسن (ع) و حسین اس کے پھل ہیں اور ہمارے شیعہ اس کے پتے ہیں، اس شجر کی اصل جنّت عدن میں ہے اور باقی حصہ ساری جنّت میں پھیلا ہوا ہے۔[126]

۔(مسند احمد بن حنبل 9/ 91 / 23389، سنن ترمذی 5 ص 326 / 3870، خصائص نسائی ص 239 / 130 مجمع الزوائد 9 ص 324 / 15192، حلیۃ الاولیاء 4 / 190، اسد الغابہ 7 ص 304 / [125]

[126]۔ مستدرک علی الصحیحین 3 ص 174 / 4755 از عبد الرحمٰن بن عوف۔

ماہ شوال تا ذی الحجہ کی اہم مناسبتیں

از گروہ تحریر

۸ شوال: روز انعدام جنت البقیع کا المناک واقعہ

جنت البقیع تاریخ اسلام کے جملہ مہم آثار میں سے ایک ہے، جسے وہابیوں نے 8 شوال 1343 مطابق مئی 1925 کو شہید کر کے ایک بار پھر کربلا کي تاریخ کا تکرار کرتے ہوئے اپنے یزیدي افکار اور عقیدے کا برملا اظہار کیا ہے۔ قبرستان بقیع (جنت البقیع) کے تاریخ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مقبرہ صدر اسلام سے ہی نہایت محترم کا مقام رکھتا تھا- حضرت رسول خدا صلي اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب مدینہ منورہ ہجرت کي تو قبرستان بقیع مسلمانوں کا تنہا قبرستان تھا اور ہجرت سے پہلے مدینہ منورہ کے مسلمان "بني حرام" اور "بني سالم" کے مقبروں میں اپنے مردوں کو دفناتے تھے - اور کبھي کبھار تو اپنے ہي گھروں میں اپنے مردوں کو دفناتے تھے اور ہجرت کے بعد رسول خدا حضرت محمد مصطفي صلي اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حکم سے بقیع کہ جس کا نام "بقیع الغرقد" بھي ہے مقبرہ کیلئے مخصوص ہو گیا جنب البقیع میں سب سے پہلے پیغمبر صلي اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخلص صحابي اور حضرت علي ابن ابی طالب علیہم السلام کے قریبي ساتھي اور دوست "جناب عثمان بن مظعون" دفنائے گئے جن کو حضرت علي علیہ السلام بہت زیادہ یاد کرتے اور حضرت علي علیہ السلام کی حضرت عثمان بن مظعون سے محبت کا اس بات سے بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ امامؑ اپنے ایک بیٹے کا نام عثمان رکھا تھا-

جنت البقیع ہر اعتبار سے تاریخي اور مقدس مقام ہے- حضرت رسول خدا صلي اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ احد کے بعض شہداء کو اور اپنے بیٹے "ابراہیم" کو بھي جنت البقیع میں دفنایا ہے- اس کے علاوہ محمد و آل محمد صلوات اللہ علیہ وعلیہم اجمعین کے مکتب یعني مکتب اہل بیت کے پیروکاروں کیلئے بقیع کے ساتھ اسلامي اور ایماني وابستگي ہے کیونکہ یہاں پر چار معصومین یعنی حضرت امام حسن، امام زین العابدین، امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہم السلام کا جاي مدفن ہے۔

اسکے علاوہ رسول خدا حضرت محمد مصطفي صلي اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازدواج مطہرات، زوجہ ولي خدا علي مرتضي جناب فاطمہ الزہراؑ، ام البنین فاطمہ بنت اسد والدہ مکرمہ علمدار کربلا حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام، حضرت کے چچا "عباس" اور بزرگ صحابي حضرات مدفون ہیں-

تاریخ اسلام کا گہوارہ "مکہ مکرمہ" اور "مدینہ منورہ" رہا ہے جہاں تاریخ اسلامي کے مرکزی مقام کا موجود ہونا ایک قدرتی امر ہے، لیکن وہابیت کے وجود میں آنے کے بعد "شرک" کے عنوان سے قرآني منطق و عقلی برہان کے خلاف تمام تاریخي اسلامي آثار و محو

کرنے کا سلسلہ شروع ہو گیا جس پر پورا عالم اسلام مکتب اہل بیت علیہم السلام کو چھوڑ کر سبھي مجرمانہ خاموشي اختیار کئے ہے۔

تاریخ کا مطالعہ کرنے اور سیّاحوں اور سفر ناموں سے تاریخ اسلام کے آثار قدیمہ کي حفاظت اور موجودگي کا پتہ ملتاہے از جملہ جنت البقیع کہ جس کي دور وہابیت تک حفاظت کي جاتي تھي اور قبروں پر کتیبہ لکھے ہوئے تھے جس میں صاحب قبر کے نام ونشاني ثبت تھے وہابیوں نے ان سب آثار کو محو کر دیاہے-یہاں تک ائمہ معصومین علیہم السلام کے قبروں پر جو روضے تعمیر تھے ان کو بھي مسمار کر دیا ہے ۔جنت البقیع کے تاریخی آثار کے بارے میں "مصر" کے " محمد لبیب مصري" نامي شخصیت کے سفر نامے میں بھي ملتا ہے جنہوں نے 1327 ہجري قمري میں سعودي عربیہ کا سفر کیا تھا-وہ اپنے سفر نامے میں جنت البقیع کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: وہاں (جنت البقیع میں) پر "قبہ البنین" نامي معروف گنبد ہے جہاں پر ایک کمرہ ہے جس میں ایک گڑھاہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہاں پر پیغمبر خدا صلي اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دندان مبارک گرے ہیں- اور قبہ کے اندر امام حسن کا ضریح ہے جو کہ سٹیل کا بنا ہوا ہے جس پر فارسي خطاطي میں لکھا ہوا ہے- میرے خیال سے عجم (غیر عرب) شیعوں کے آثار ہوں گے ۔

وہابي جس بارے میں زیادہ حساس ہیں وہ قبروں پر تعمیر ہے، خاص کر پیغمبروں ، اولیاء الہي اور صالحین کي قبروں کا مسئلہ ہے - اس کے بارے میں سب سے پہلے "ابن تیمیہ" اور اسکے معروف شاگرد "ابن قیّم "نے اپني رائے ظاہر کر کے روضوں اور آستانوں کو منہدم کرنے کا فتوي صادر کیا تھا-

ابن قیّم نے اپني کتاب میں لکھاہے:«جو تعمیرات قبور پر بنائي گئ ہیں انہیں منہدم کرنا واجب ہے ۔حتي ایک دن کیلئے بھی قبروں کے آثار کا باقي رکھنا جائز نہیں ہے »جب سعودیوں نے 1344 ہجري قمري میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ پر تسلط حاصل کیا انہوں نے "بقیع" اور حضرت رسول خدا صلي اللہ آلہ وسلم انکے اہلبیت علیہم السلام اور اصحابہ کرام کے آثار کو مسمار کرنے کا سلسلہ شروع کیا جس کا آغاز ۸ شوال ۱۳۴۳ مطابق مئ ۱۹۲۵ ءکو ہوا ہے جو کہ ابھي تک جاري ہے۔

۱۵ شوال: وفات حضرت عبد العظیم

شاہ عبد العظیم حسنی رضوان اللہ علیہ

ان امام زادگان میں سے دوسرے بزرگ شہزادہ عبد العظیم ہیں کہ ان کا سلسلہ نسب چار واسطوں سے امام حسن علیہ السلام تک پہنچتا ہے یعنی عبد العظیم بن عبد اللہ بن علی بن الحسن بن زید بن الحسن بن علی ابن ابی طالب۔ آپ کی قبر شریف تہران کے محلہ رے میں مشہور و معروف ہے ﴿اور آج کل اس محلہ کو شاہ عبد العظیم کے نام سے پکارا جاتا ہے اور تہران سے وہاں تک بسیں آتی جاتی ہیں﴾ آپ کا روضہ مبارک عوام وخواص

کی زیارت گاہ اور جائے پناہ ہے آپ کے مقام کی بلندی اور مرتبے کی عظمت محتاج بیان نہیں کیونکہ آپ خاندان نبوت کے فرد ہونے کے علاوہ عظیم محدثین اور اجل علما میں سے ہیں آپ بڑے عابد و زاہد اور بہت متقی و پرہیز گار تھے اور امام محمد تقی اور امام نقی (ع) کے خاص صحابہ میں سے تھے آپ کو ان ہر دو ائمہ (ع) کے حضور خصوصی تعلق و توسل حاصل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ شاہ عبد العظیم نے ان دونوں

معصومین(ع) سے بہت سی احادیث روایت کی ہیں یہی بزرگ "خطب امیر المومنین۔ " کے نام سے مشہور کتاب کے مؤلف ہیں نیز آپ نے "یوم ولیلہ" نامی کتاب میں اپنے عقائد درج فرمائے اور یہ کتاب امام علی نقیؑ کی خدمت میں پیش کی تھی۔ چنانچہ امام(ع) نے اس کتاب کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا کہ اے اباالقاسم خدا کی قسم یہی وہ دین ہے جو خدائے تعالیٰ نے اپنے بندوں کیلئے پسند کیا ہے پس خداوند جہاں تمہیں دنیاو آخرت میں اس عقیدہ و دین پر قائم رکھے۔ صاحب بن عباد نے آپ کے حالات میں ایک مختصر رسالہ لکھا ہے جسے علامہ نوری مرحوم نے مستدرک الوسائل کے آخر میں نقل کر دیا ہے۔ اس رسالے اور رجال نجاشی میں یہ واقعہ منقول ہے کہ حضرت شاہ عبدالعظیم (ع) بادشاہ وقت کے خوف سے جلاوطن ہو کر شہر بہ شہر پھرتے اور اپنے آپ کو ایک قاصد ظاہر کرتے رہے حتیٰ کہ آپ شہر رے پہنچے اور خود کو ساربانوں میں شامل کر کے پوشیدہ ہوتے رہے لیکن بقول نجاشی سکۃ الموالی کے بعض شیعوں کے سرداب میں رہا کرتے کہ رات کو عبادت کرتے اور دن میں روزہ رکھتے تھے جب کبھی اس سرداب سے باہر آتے تو اس قبر کی زیارت کرتے تھے جو اب آپ کی قبر کے سامنے واقع ہے آپ فرماتے تھے کہ یہ امام موسیٰ کاظمؑ۔ کے ایک فرزند کی قبر ہے شروع شروع میں تو آپ کو صرف چند ایک شیعہ بزرگ جانتے پہچانتے تھے لیکن کچھ عرصہ کے بعد عام لوگوں نے بھی آپ کو پہچان لیا انہی ایام میں ایک شیعہ بزرگ نے عالم خواب میں حضرت رسول(ص) کو دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں کہ سکۃ الموالی سے جا کر میرے فرزند کو عبدالجبار کے باغ میں سیب کے درخت کے نیچے دفن کریں گے اور یہ وہی جگہ ہے جہاں اب شاہ عبدالعظیم مدفون ہیں یہ خواب دیکھ کر وہ شیعہ بزرگ اس باغ کے مالک کے پاس گئے تاکہ وہ باغ اور درخت خرید لیں' باغ کے مالک نے پوچھا کہ آپ کس لیے باغ خرید کرتے ہیں؟ انہوں نے اپنا خواب باغ کے مالک سے بیان کیا تو اس نے بھی اپنا ایسا ہی خواب سنایا اور کہا کہ میں نے یہ باغ ان سید پاک اور دیگر شیعہ مومنین کیلئے وقف کر دیا ہے کہ وہ اپنے متوفیوں کو یہاں دفن کیا کریں۔

پھر انہی ایام میں شاہ عبدالعظیم بیمار پڑے اور کچھ دنوں بعد اللہ کو پیارے ہو گئے۔ جب غسل دینے کیلئے ان کا لباس اتارا گیا تو ان کی جیب میں سے ایک رقعہ نکلا جس میں آپ نے اپنا نام و نسب لکھا ہوا تھا کہ میں ابوالقاسم عبدالعظیم ہوں میں فرزند ہوں عبداللہ کا جو فرزند ہیں علی کے اور وہ فرزند ہیں حسن کے اور وہ فرزند ہیں زید کے اور وہ امام حسن۔ کے فرزند ہیں صاحب بن عباد نے شاہ عبدالعظیم کے علم و فضل کے بارے میں ابوتراب رویانی کی روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے ابوحماد رازی سے سنا کہ وہ کہہ رہے تھے میں سامرہ میں ایک روز امام علی نقیؑ کی خدمت میں پہنچا اور حلال و حرام سے متعلق بہت سے مسائل آپ سے دریافت کیے اور آپ نے انکے جوابات ارشاد فرمائے جب میں رخصت ہونے لگا تو آپ نے فرمایا کہ اے ابوحماد اگر اپنے شہر رے میں تمہیں کوئی مشکل مسئلہ پیش آئے تو جناب عبدالعظیم بن عبداللہ حسنی کے پاس جا کر پوچھ لینا اور انکو میرا سلام بھی پہنچا دینا محقق میر دامادؒ نے کتاب رواشح میں تحریر کیا ہے کہ شاہ عبدالعظیم کی فضلیت میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں اور ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ جو شخص انکی زیارت کو جائے جنت اس کیلئے واجب ہے شیخ شہید ثانیؒ نے حاشیہ میں بعض نسابین کے حوالے

سے اسی روایت کا خلاصہ نقل کیا ہے ۔ابن بابویہ(رح) اور ابن قولویہ نے معتبر سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ شہرِ رے کا ایک شخص امام علی نقیؑ کی خدمت میں آیا تو حضرت نے پوچھا کہ تم کہاں تھے؟ اس نے عرض کی کہ میں امام حسینؑ کی زیارت کرنے گیا ہوا تھا آپ نے فرمایا کہ تم اپنے شہر میں سید عبدالعظیم کی قبر کی زیارت کرتے تو اس شخص کی مانند ہوتے جس نے امام حسینؑ کی زیارت کی ہو۔

۲۵ شوال:شہادت امام جعفر صادقؑ

امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے والد بزرگوار کی شہادت کے بعد اکتیس سال کی عمر میں ایک سو چودہ ہجری قمری کو عوام کی ہدایت و رہنمائی کا فریضہ سنبھالا اور منصب امامت پر فائز ہوئے آپ کا دور امامت چونتیس برسوں پر محیط ہے ۔ سن ایک سو چودہ سے ایک سو بتیس ہجری قمری تک اموی دور حکومت تھا جبکہ ایک سو بتیس سے لے کر ایک سو اڑتالیس ہجری قمری یعنی آپ کی شہادت تک عباسی حکمراں برسر اقتدار تھے۔

جب آپ منصب امامت پر فائز ہوئے تو امویوں اور عباسیوں کے درمیان اقتدار کی رسہ کشی جاری تھی جس کی بناپر اموی حکمرانوں کی توجہ خاندان رسالت سے کسی حد تک ہٹ گئی اور خاندان رسالت کے افراد نے امویوں کے ظلم و ستم سے کسی حد تک سکون کا سانس لیا۔

اسی دور میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے اسلامی تعلیمات کی ترویج کے لئے بے پناہ کوششیں انجام دیں اور مدینے میں مسجد نبوی اور کوفہ شہر میں مسجد کوفہ کو یونیورسٹی میں تبدیل کر دیا جہاں انہوں نے ہزاروں شاگردوں کی تربیت کی اور ایک عظیم علمی و فکری تحریک کی بنیاد ڈالی اس تحریک کو خوب پھلنے پھولنے کے مواقع ملے۔امام جعفر صادق علیہ السلام کا زمانہ علوم وفنون کی توسیع اور دوسری ملتوں کے عقائد و نظریات اور تہذیب و ثقافت کے ساتھ اسلامی افکار و نظریات اور تہذیب وثقافت کے تقابل اور علمی بحث ومناظرے کے اعتبار سے خاص اہمیت کا حامل ہے۔اسی زمانے میں ترجمے کے فن کو بڑی تیزی سے ترقی حاصل ہوئی اور عقائد وفلسفے دوسری زبانوں سے عربی میں ترجمہ ہوئے ۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کا زمانہ تاریخ اسلام کا حساس ترین دور کہا جاسکتا ہے۔اس زمانے میں ایک طرف تو امویوں اور عباسیوں کے درمیان اقتدار کی رسہ کشی جاری تھی اور دوسری علویوں کی بھی مسلح تحریکیں جاری تھیں ۔ آپ نے ہمیشہ عوام کو حکمرانوں کی بدعنوانیوں اور غلط حرکتوں نیز غیر اخلاقی و اسلامی سرگرمیوں سے آگاہ کیا۔

آپ نے عوام کے عقائد و افکار کی اصلاح اور فکری شکوک و شبہات دور کر کے اسلام اور مسلمانوں کی فکری بنیادوں کو مستحکم کرنے کی کوشش کی اور اہل بیت علیہم السلام کی فقہ و دانش کو اس قدر فروغ دیا اور اسلامی احکام و شیعہ مذہب کی تعلیمات کو دنیا میں اتنا پھیلایا کہ مذہب شیعہ نے جعفری مذہب کے نام سے شہرت اختیار کرلی۔امام جعفر صادق علیہ السلام سے جتنی احادیث راویوں نے نقل کی ہیں اتنی کسی اور امام سے نقل نہیں کیں

امام جعفر صادق علیہ السلام سے کسب فیض کرنے والے شاگردوں کی تعداد ہزاروں میں ہے جن میں ہر مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے لوگ شامل ہیں ۔ آپ کے ممتاز شاگردوں میں ہشام بن حکم، محمد بن مسلم، ابان بن تقلب، ہشام بن سالم، مفصل بن عمر اور جابر بن حیان کا نام خاص طور سے لیاجا سکتا ہے ۔ ان میں سے ہر ایک نے بڑا نام

پیدا کیا مثال کے طور پر ہشام بن حکم نے اکتیس کتابیں اور جابر بن حیان نے دو سو زائد کتابیں مختلف علوم و فنون میں تحریر کی ہیں ۔ جابر بن حیان کو علم کیمیا میں بڑی شہرت حاصل ہوئی اور وہ بابائے علم کیمیا کے نام سے مشہور ہیں ۔ اہل سنت کے درمیان مشہور چاروں مکاتب فکر کے امام بلاواسطہ یا بالواسطہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے شاگردوں میں شمار ہوتے ہیں خاص طور پر امام ابوحنیفہ نے تقریبا" دو سال تک براہ راست آپ سے کسب فیض کیا۔ آپ کے علمی مقام کا اعتراف کرتے ہوئے امام ابوحنیفہ نے کہاہے: " میں نے جعفر ابن محمد سے زیادہ پڑھا لکھا کوئی اور شخص نہیں دیکھا۔" ایک اور مقام پر امام ابوحنیفہ نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں گزارے ہوئے دو سالوں کے بارے میں کہا: لولا السنتان ۔ لهک نعمان ؛ اگر یہ دو سال نہ ہوتے تو نعمان ہلاک ہو جاتا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کی سیرت اور اخلاقی کمالات کے بارے میں مورخین نے بہت کچھ لکھاہے۔ آپ کی ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ آپ لوگوں کے ساتھ انتہائی محبت اور مہربانی کے ساتھ پیش آتے تھے اور حاجت مندوں کی ضرورتوں کو پورا کیا کرتے تھے اور لوگوں کو بھی اپنی باتوں کی نصیحت کرتے تھے ۔ آپ فرماتے ہیں : اپنے رشتے داروں کے ساتھ احسان کرو اور اپنے بھائیوں کے ساتھ نیکی کرو چاہے وہ سلام کرنے یا خندہ پیشانی کے ساتھ سلام کا جواب دینے کی صورت میں ہی کیوں نہ ہو۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کی زندگی کو تین ادوار میں تقسیم کیا جاسکتاہے۔ پہلا دور وہ ہے جو آپ نے اپنے دادا امام زین العابدین علیہ السلام اور والد امام محمد باقر علیہ السلام کے زیر سایہ گزارا یہ دور سن تراسی ہجری سے لے کر ایک سو چودہ ہجری قمری تک پھیلا ہوا ہے۔ دوسرا دور ایک سو چودہ ہجری سے ایک سو چالیس ہجری قمری پر محیط ہے اس دور میں امام جعفر صادق علیہ السلام کو اسلامی علوم و معارف پھیلانے کا بھرپور موقع ملا جس سے آپ نے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ اس دور میں آپ نے چار ہزار سے زائد شاگردوں کی تربیت کی اور مکتب شیعہ کو عروج پر پہنچایا۔ تیسرا دور امام کی آخری آٹھ سال کی زندگی پر مشتمل ہے ۔ اس دور میں آپ پر عباسی خلیفہ منصور دوانیقی کی حکومت کا سخت دباؤ تھا اور آپ کی ہر قسم کی نقل و حرکت پر مستقل نظر رکھی جاتی تھی ۔ عباسیوں نے چونکہ خاندان پیغمبر کی حمایت و طرفداری کے نعرے کی آڑ میں اقتدار حاصل کیا تھا شروع میں عباسیوں نے امام علیہ السلام پر دباؤ نہیں ڈالا اور انہیں تنگ نہیں کیا لیکن عباسیوں نے آہستہ آہستہ اپنے قدم جمانے اور اقتدار مضبوط کرنے کے بعد امویوں کی روش اپنالی اور ائمہ معصومین علیہم السلام اور ان کے محبین کو تنگ کرنے اور ان پر ظلم و ستم کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا اور اس میں وہ امویوں کو بھی پیچھے چھوڑ گئے۔

۱۱ ذیقعدہ: ولادت امام رضاؑ

علماء و مورخین کا بیان ہے کہ آپ بتاریخ ۱۱/ ذی قعدہ ۱۵۳ھ یوم پنجشنبہ بمقام مدینہ منورہ متولد ہوئے ہیں۔[127] آپ کی ولادت کے متعلق علامہ مجلسی اور علامہ محمد پارسا تحریر فرماتے ہیں کہ جناب ام البنین کا کہنا ہے کہ جب تک امام علی رضا علیہ السلام میرے بطن میں رہے مجھے گل کی گرانباری مطلقا محسوس نہیں ہوئی، میں

---

127 ۔ اعلام الوری ص ۱۸۲، جلاء العیون ص ۲۸۰، روضۃ الصفا جلد ۳ ص ۱۳، انوار النعمانیہ ص ۱۲۷

اکثر خواب میں تسبیح و تہلیل اور تمجید کی آوازیں سنا کرتی تھی جب امام رضا علیہ السلام پیدا ہوئے تو آپ نے زمین پر تشریف لاتے ہی اپنے دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک دئے اور اپنا فرق مبارک آسمان کی طرف بلند کر دیا آپ کے لبہائے مبارک جنبش کرنے لگے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے آپ خدا سے کچھ باتیں کر رہے ہیں، اسی اثناء میں امام موسی کاظم علیہ السلام تشریف لائے اور مجھ سے ارشاد فرمایا کہ تمہیں خداوندعالم کی یہ عنایت وکرامت مبارک ہو، پھر میں نے مولود مسعود کو آپ کی آغوش میں دیدیا آپ نے اس کے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا کہ "بگیر این راکہ بقیہ خدااست در زمین حجت خداست بعدازمن" اسے لے لو یہ زمین پر خدا کی نشانی ہے اور میرے بعد حجت اللہ کے فرائض کا ذمہ دار ہے ابن بابویہ فرماتے ہیں کہ آپ دیگر آئمہ علیہم السلام کی طرح مختون اور ناف بریدہ متولد ہوئے تھے۔[128]

آپ کے والد ماجد حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام نے لوح محفوظ کے مطابق اور تعیین رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے موافق آپ کو "اسم علی" سے موسوم فرمایا، آپ آل محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ،میں کے تیسرے "علی" ہیں۔[129]

آپ کی کنیت ابوالحسن تھی اورآپ کے القاب صابر، زکی، ولی، رضی، وصی تھے واشہر ھاالرضاء اور مشہور ترین لقب رضا تھا۔[130]

علامہ طبرسی تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کو رضا اس لیے کہتے ہیں کہ آسمان وزمین میں خداوعالم، رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ اور آئمہ طاہرین علیہم السلام، نیز تمام مخالفین وموافقین آپ سے راضی تھے۔[131] علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ بزنطی نے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام سے لوگوں کی افواہ کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ آپ کے والدماجد کو لقب رضا سے مامون رشید نے ملقب کیا تھا آپ نے فرمایا ہر گز نہیں یہ لقب خدا اور سول کی خوشنودی کا جلوہ بردار ہے اور خاص بات یہ ہے کہ آپ سے موافق ومخالف دونوں راضی اور خوشنود تھے۔[132]

آپ کی نشو ونما اور تربیت اپنے والد بزرگوار حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام کے زیر سایہ ہوئی اور اسی مقدس ماحول میں بچپنا اور جوانی کی متعدد منزلیں طے ہوئیں اور ۳۰ برس کی عمر پوری ہوئی اگرچہ آخری چند سال اس مدت کے وہ تھے جب امام موسی کاظم اعراق میں قید ظلم کی سختیاں برداشت کر رہے تھے مگر اس سے پہلے ۲۴ یا ۲۵/ برس آپ کو برابر اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ رہنے کا موقع ملا۔

مورخین کا بیان ہے کہ آل محمد کے اس سلسلہ میں ہر فرد حضرت احدیت کی طرف سے بلند ترین علم کے درجے پر قرار دیا گیا تھا جسے

128۔ فصل الخطاب وجلاء العیون ص ۲۷۹

129۔ اعلام الوری ص ۲۲۵، مطالب السئول ص ۲۸۲

130۔ نورالابصار ص ۱۲۸ وتذکرۃ خواص الائمۃ ص ۱۹۸

131۔ اعلام الوری ص ۱۸۲

132۔ جلاء العیون ص ۲۷۹، روضۃ الصفا جلد ۳ ص ۱۲

دوست اور دشمن کو ماننا پڑتا تھا یہ اور بات ہے کہ کسیکو علمی فیوض پھیلانے کا زمانے نے کم موقع دیا اور کسی کو زیادہ، چنانچہ ان حضرات میں سے امام جعفر صادق علیہ السلام کے بعد اگر کسی کو سب سے زیادہ موقع حاصل ہوا ہے تو وہ حضرت امام رضا علیہ السلام ہیں، جب آپ امامت کے منصب پر نہیں پہنچے تھے اس وقت حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام اپنے تمام فرزندوں اور خاندان کے لوگوں کو نصیحت فرماتے تھے کہ تمہارے بھائی علی رضا عالم آل محمد ہیں، اپنے دین مسائل کو ان سے دریافت کرلیا کرو، اور جو کچھ اسے کہیں یاد رکھو، اور پھر حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام کی وفات کے بعد جب آپ مدینہ میں تھے اور روضہ رسول پر تشریف فرما رہے تھے تو علمائے اسلام مشکل مسائل میں آپ کی طرف رجوع کرتے تھے۔

محمد بن عیسی یقطینی کا بیان ہے کہ میں نے ان تحریری مسائل کو جو حضرت امام رضا علیہ السلام سے پوچھے گئے تھے اور آپ نے ان کا جواب تحریر فرمایا تھا، اکٹھا کیا تو اٹھارہ ہزار کی تعداد میں تھے، صاحب لمعۃ الرضاء تحریر کرتے ہیں کہ حضرت آئمہ طاہرین علیہم السلام کے خصوصیات میں یہ امر تمام تاریخی مشاہد اور نیز حدیث وسیر کے اسانید معتبر سے ثابت ہے، باوجودیکہ اہل دنیا کو آپ حضرات کی تقلید اور متابعت فی الاحکام کا بہت کم شرف حاصل تھا، مگر باین ہمہ تمام زمانہ وہر خویش وبیگانہ آپ حضرات کو تمام علوم الہی اور اسرار الہی کا گنجینہ سمجھتا تھا اور محدثین ومفسرین اور تمام علماء وفضلاء جو آپ کے مقابلہ کا دعوی رکھتے تھے وہ بھی علمی مباحث ومجالس میں آپ حضرات کے آگے زانوئے ادب تہ کرتے تھے اور علمی مسائل کو حل کرنے کی ضرورتوں کے وقت حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے لے کر امام زین العابدین علیہ السلام تک استعفادے کئے وہ سب کتابوں میں موجود ہے۔

جابر بن عبداللہ انصاری اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں سمع حدیث کے واقعات تمام احادیث کی کتابوں میں محفوظ ہیں ،اسی طرح ابوالطفیل عامری اور سعید بن جبیر آخری صحابہ کی تفصیل حالات جو ان بزرگون کے حال میں پائے جاتے ہیں وہ سیر وتواریخ میں مذکور ومشہور ہیں صحابہ کے بعد تابعین اور تبع تابعین اوران لوگوں کی فیض یابی کی بھی یہی حالت ہے، شعبی، زہری، ابن قتیبہ ،سفیان ثوری، ابن شیبہ ،عبدالرحمن ،عکرمہ، حسن بصری ،وغیرہ وغیرہ یہ سب کے سب جو اس وقت اسلامی دنیا میں دینیات کے پیشوا اور مقدس سمجھے جاتے تھے ان ہی بزرگوں کے چشمہ فیض کے جرعہ نوش اور انہی حضرات کے مطیع وحلقہ بگوش تھے۔

جناب امام رضا علیہ السلام کو اتفاق حسنہ سے اپنے علم وفضل کے اظہار کے زیادہ موقع پیش آئے کیوں کہ مامون عباسی کے پاس جب تک دارالحکومت مرو تشریف فرما رہے، بڑے بڑے علماء وفضلاء علوم مختلفہ میں آپ کی استعداد اور فضیلت کا اندازہ کرایا گیا اور کچھ اسلامی علماء پر موقوف نہیں تھا بلکہ علماء یہودی ونصاری سے بھی آپ کا مقابلہ کرایا گیا، مگر ان تمام مناظروں ومباحثوں مین ان تمام لوگوں پر آپ کی فضیلت وفوقیت ظاہر ہوئی، خود مامون بھی خلفائے عباسیہ میں سب سے زیادہ اعلم وافقہ تھا باوجود اس کے تبحر فی العلوم کا لوہا مانتا تھا اور چار وناچار اس کا اعتراف پر اعتراف اور اقرار پر اقرار کرتا تھا چنانچہ علامہ ابن حجر صواعق محرقہ میں لکھتے ہیں کہ آپ جلالت قدر عزت وشرافت میں معروف ومذکور ہیں، اسی وجہ مامون آپ کو بمنزلہ اپنی

روح و جان جانتا تھا اس نے اپنی دختر کا نکاح آنحضرت علیہ السلام سے کیا، اور ملک ولایت میں اپنا شریک گردانا، مامون برابر علماء ادیان وفقہائے شریعت کو جناب امام رضا علیہ السلام کے مقابلہ میں بلاتا اور مناظرہ کراتا، مگر آپ ہمیشہ ان لوگوں پر غالب آتے تھے اور خود ارشاد فرماتے تھے کہ میں مدینہ میں روضہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بیٹھتا، وہاں کے علمائے کثیر جب کسی علمی مسئلہ میں عاجز آجاتے تو بالاتفاق میری طرف رجوع کرتے، جواب ہائے شافی دے کر ان کی تسلی و تسکین کر دیتا۔

ابوصلت ابن صالح کہتے ہیں کہ حضرت امام علی بن موسی رضا علیہا السلام سے زیادہ کوئی عالم میری نظر سے نہیں گزرا، اور مجھ پر موقوف نہیں جو کوئی آپ کی زیارت سے مشرف ہوگا وہ میری طرح آپ کی اعلمیت کی شہادت دے گا۔

۷ ذی الحجہ: شہادت امام محمد باقرؑ

اسلامی روایات کی روشنی میں ۷ ذی الحجۃ الحرام اہلبیت رسول اسلام اور اُن کے دوستداروں کے لئے نہایت ہی غم واندوہ کی تاریخ ہے سن ۱۱۴ ھجری میں اسی تاریخ کو آسمان علم و ہدایت کا وہ درخشاں آفتاب مدینہ منورہ میں غروب ہوا ہے کہ جس کی علمی و فکری تابندگی سے بنی امیّہ کی ایجاد کردہ گھٹاٹوپ تاریکیوں میں بھی عالم اسلام کے بام و در روشن و منور تھے۔

یہ شب و روز فرزندِ رسول امام محمد باقر علیہ السلام، وہ جن کو خود پیغمبرِ اسلام ﷺ نے اپنے بزرگ و معتبر صحابی جابر ابن عبد اللہ انصاری کے ذریعے سلام کہلوایا تھا، امام محمد باقر علیہ السلام جن کو دستِ قدرت نے ان کے پدر بزرگوار امام زین العابدین علیہ السلام کی مانند کرب و بلا کی ایک عظیم قربان گاہ اور کوفہ و شام کی اسارت گاہ سے ڈھائی سال کی عمر میں صحیح سالم واپس مدینہ پہنچایا تھا اور جن کے دستر خوان علم سے تقریباً تمام مذاہب و مسالک کے علماء وفقہا نے براہ راست یا بالواسطہ طور پر خوشہ چینی کی ہے اور کر رہے ہیں۔ ہم اس عظیم فقدان پر ملتِ اسلام کے تمام سوگواروں کو تعزیت و تسلیت پیش کرتے ہیں۔

فرزند رسول امام محمد باقر علیہ اسلام مسلمانوں کے وہ عظیم پیشواء و رہنما ہیں جنہوں نے مکتبِ وحی سے وابستگی اور الٰہی امامت وہدایت پر فائز ہونے کی وجہ سے تشنگانِ حق و معرفت کو ہمیشہ توحید و انسانیت کا سبق پڑھایا اور علم و دانش کے وہ سر چشمے جاری کئے ہیں کہ آپ کا لقب ہی باقر العلوم یعنی "علم کا سینہ شگاف کرنے والا" پڑ گیا۔ آپ کے زمانہ کے اہلسنت کے ایک بزرگ عالم محمد ابن طلحہ شافعی کہتے ہیں: "امام باقر کے لقب سے معروف محمد ابن علی علم کا سینہ شگاف کرنے والے تھے جن میں تمام علوم یکجا ہوگئے تھے اور اُن کا علم آشکار اور اُن کے ذریعے سربلند ہے اُن کے وجود سے علم کے چشمے پھوٹتے ہیں علم و دانش کے موتیوں کو انہوں نے سجایا اور زینت و آرایش بخشی ہے اُن کا قلب صاف اور عمل پاک ہے۔ پاکیزہ روح اور اچھے اخلاق کے حامل ہیں اوقات خدا کی عبادت میں بسر کرتے ہیں، تقویٰ و پرہیز گاری میں ثابت قدم ہیں خدا سے تقرب کی نشانیاں اور منتخب بندوں کی خوبیاں امام محمد باقر کے چہرے سے آشکار ہیں فضائل و مناقب اُن کی طرف بڑھنے اور ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور پاکیزہ عادات و اوصاف اُن سے شرف و منزلت حاصل کرتے ہیں۔

فرزندِ رسول(ص)امام زین العابدین علیہ السلام کی شہادت کے بعد امام محمد باقر علیہ السلام نے اپنے ۱۹ سالہ دور امامت میں بنی امیہ کے پانچ ظالم و جابر حکمرانوں کا مقابلہ کیا اور سیاسی اعتبار سے شدید گھٹن اور تشدد آمیز ماحول میں جس وقت حصول اقتدار کے لئے بنی امیہ اور بنی عباس بر سر پیکار تھے امام علیہ السلام نے پُرسکون علمی و فکری تحریک کے ذریعے اسلام و قرآن کی الٰہی تعلیمات کی حفاظت اور نشر و تبلیغ کا عظیم فریضہ انجام دیا ہے۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے بنی امیہ کے وظیفہ خوار ملاؤں کی اسلام دشمن، تحریفات و تاویلات کی بے شرمانہ یورش کا نہایت ہی تحمل اور علمی و استدلالی بحثوں کے ذریعے مقابلہ کیا اور اُن کے غلط عقائد و نظریات کی جڑیں اکھاڑ کر پھینک دیں لیکن لب و لہجے کی لطافت، معنوی وقار اور بردبارانہ رفتار کے ذریعے راہ حق و حقیقت پر چلنے والوں کے لئے انمٹ نقوش چھوڑ گئے۔

امام محمد باقر علیہ السلام کا یوم شہادت چونکہ ایام حج کے ساتھ منسلک ہے آیئے تھوڑی دیر کے لئے آپ کو مکّہ کی روح پرور فضاؤں میں لے کر چلتے ہیں۔ امام محمد باقر علیہ السلام کے ایک قریبی دوست افلح نقل کرتے ہیں کہ میں امام محمد باقر علیہ السلام کے ساتھ خانۂ کعبہ کی زیارت کے قصد سے روانہ ہوا۔ جس وقت آپ مسجد الحرام میں داخل ہوئے اور آپ کی نگاہیں خانۂ کعبہ پر پڑیں آپ نے بلند آواز سے گریہ شروع کر دیا۔ میں نے عرض کی: فرزند رسول! ہمارے ماں باپ آپ پر فدا ہو جائیں اگر آپ اتنی بلند آواز سے گریہ کریں گے تو لوگ آپ کی طرف متوجہ ہو جائیں گے۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے اس وقت فرمایا: افلح! تم کیوں نہیں سمجھتے ہو! میں یہاں آکر کیسے گریہ نہ کروں شاید اسی گریہ کا سبب آج خدا کی خاص رحمت شامل حال ہو جائے اور کل کامیاب رہوں۔ عزیزان گرامی! اموی حکمران عبدالملک ابن مروان کے ذریعہ عالمِ اسلام کے اس عظیم امام و پیشوا امام محمد باقر علیہ السلام کی زہر دغا سے شہادت پر ایک بار پھر تسلیت و تعزیت پیش کرتے ہیں۔

۹ذی الحجہ: روز عرفہ

یہ روز عرفہ ہے اور بہت بڑی عید کا دن ہے۔ اگرچہ اس کو عید کے نام سے موسوم نہیں کیا گیا، یہی وہ دن ہے جس میں خدائے تعالیٰ نے بندوں کو اپنی اطاعت و عبادت کی طرف بلایا ہے، آج کے دن ان کے لیے اپنے جود و سخا کا دستر خوان بچھایا ہے اور آج شیطان کو دھتکارا گیا اور وہ ذلیل و خوار ہوا ہے۔

روایت ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام نے روز عرفہ ایک سائل کی آواز سنی جو لوگوں سے خیرات مانگ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا: افسوس ہے تجھ پر کہ آج کے دن بھی تو غیر خدا سے سوال کر رہا ہے حالانکہ آج تو یہ امید ہے کہ ماؤں کے پیٹ کے بچے بھی خدا کے لطف و کرم سے مالامال ہو کر سعید و خوش بخت ہو جائیں۔

اس دن کے چند ایک اعمال ہیں: ﴿۱﴾ غسل کرے۔ ﴿۲﴾ امام حسین -کی زیارت کرے اس کا ثواب ہزار حج و عمرہ اور ہزار جہاد جتنا بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے۔ اس زیارت کی فضیلت میں بہت سی متواتر حدیثیں نقل ہوئی ہیں ۔ کہ آج کے دن جو کوئی حضرت کے قبہ مقدسہ کے سائے میں رہے تو اس کا ثواب عرفات والوں سے کم نہیں زیادہ ہے اور وہ ان لوگوں سے مقدم ہے۔ حضرت کی زیارت کی کیفیت باب زیارت میں آئے گی۔ تاہم یہ یاد رہے کہ یہ ثواب اور

درجہ اس شخص کے لیے ہے جو اپنا واجب حج چھوڑ کر زیارات کو نہ گیا ہو۔

﴿۳﴾ نماز عصر کے بعد دعائے عرفہ پڑھنے سے قبل زیر آسمان دو رکعت نماز بجالائے اور اپنے گناہوں کا اقرار و اعتراف کرے تا کہ اسے عرفات میں حاضری کا ثواب ملے اور اس کے گناہ معاف ہوں۔اس کے بعد ائمہ طاہرین علیہم السلام کے حکم کے مطابق دعائے عرفہ پڑھے اور اعمال عرفہ بجالائے اور یہ اعمال بہت زیادہ ہیں۔

شیخ کفعمی نے مصباح میں فرمایا ہے کہ یوم عرفہ کا روزہ مستحب ہے بشرطیکہ دعائے عرفہ کے پڑھنے میں کمزوری کا بھی خوف نہ ہو۔زوال سے پہلے غسل کرنا بھی مستحب ہے اور شب عرفہ وروز عرفہ زیارت امام حسین علیہ السلام بھی مستحب ہے۔

زوال کے وقت زیر آسمان نماز ظہر و عصر نہایت متانت اور سنجیدگی سے بجالائے، اس کے بعد دو رکعت نماز پڑھے جس کی پہلی رکعت میں سورہ الحمد کے بعد سورہ توحید اور دوسری رکعت میں سورہ الحمد کے بعد سورہ کافرون پڑھے، اس کے بعد چار رکعت نماز پڑھے جس کی ہر رکعت میں سورہ الحمد کے بعد پچاس مرتبہ سورہ توحید کی پڑھے۔مؤلف کہتے ہیں کہ یہ چار رکعت وہی امیر المومنین -کی نماز ہے جو اعمال روز جمعہ میں مذکور ہے، پھر فرماتے ہیں کہ چار رکعت نماز کے بعد وہ دس تسبیحات پڑھے۔جو رسول اللہ سے مروی ہیں اور سید ابن طاؤس نے اپنی کتاب اقبال میں درج کیں ہیں۔(تفصیل کے لئے دیکھئے مفاتیح الجنان، اعمال روز عرفہ)

۹ذی الحجہ:شہادت حضرت مسلم بن عقیل

مسلم بن عقیل حضرت امام حسین علیہ السلام کے چچازادہ بھائی، مرد حق، جری اور اسلام میں امام کے حقیقی آشنا تھے۔ آپ اسلامی فتوحات اور جنگ صفین وغیرہ میں شریک رہ چکے تھے اور جب امام حسین علیہ السلام نے بیعت یزید کو ٹھکرا کر مدینہ کو خدا حافظ کہا تو آپ بھی امام حسین علیہ السلام کے ہمراہ مکہ تک تشریف لائے، مکہ میں امام حسین علیہ السلام کو اہل کوفہ کے خطوط موصول ہوئے کہ ہمارا کوئی امام نہیں ہے آپ تشریف لائیے ہو سکتا ہے آپ ہماری ہدایت کا سبب بنیں۔

امام حسین علیہ السلام کوفہ کی تہذیب اور وہاں کے لوگوں کی بدلتی ہوئی طبیعت اور مفاد پرستی کو بخوبی جانتے تھے، کیونکہ اسی کوفہ میں آپ کے پدر بزرگوار حضرت علی علیہ السلام کو شہید کیا گیا تھا۔ایسے شہر کے لئے کسی مخلص اور تجربہ کار شخص کی ضرورت تھی کہ جو لحظہ بہ لحظہ رنگ بدلنے والے افراد سے شکست نہ کھا سکے اور اپنے مقصد کے حصول سے ہنگامی حالات میں بھی غافل نہ رہے۔امام حسین علیہ السلام نے اپنے مختصر قافلہ پر نظر ڈالی اور مسلم بن عقیل کو اپنا نمائندہ منتخب فرما کر کوفہ روانہ کر دیا۔شہر مکہ سے باہر نکلے تو دیکھا کہ ایک شکاری نے ہرن شکار کیا ہے اور اسے ذبح کر رہا ہے حضرت مسلم نے اس کو بدشگونی سمجھا اور واپس آگئے امام (ع) نے دریافت فرمایا: آپ کیوں واپس لوٹ آئے؟ حضرت مسلم جواب دیتے ہیں مولا اس سفر میں خطرہ محسوس ہوتا ہے کیونکہ جب میں مکہ سے باہر نکلا تو میں نے ایک شکاری کو ہرن ذبح کرتے دیکھا آپ نے فرمایا: مسلم ہم اہل بیت ایسی چیزوں سے فال بد نہیں لیتے لہٰذا تم کوفہ کے لئے روانہ ہو جاؤ۔

جناب مسلم اس موقع پر یہ نہیں کہتے کہ مولا اس سفر کی ابتدا میں جب ایسی بد شگونی ہو گئی تو اس کی انتہا کتنی خطرناک ہو گی۔ اور پھر بنی امیہ سے ہماری خاندانی دشمنی چلی آ رہی ہے کوفہ کی حکومت ان کے ہاتھ میں ہے میں تن تنہا جاؤں گا تو اس کا جو نتیجہ ہو گا وہ سامنے ہے میں اکیلا حکومت کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس کے برعکس مسلم خاموش مولا کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کئے فرمان امام سن رہے ہیں امام علیہ السلام نے آخر میں کامیابی کی دعا دی اور مسلم مکہ سے کوفہ کے لئے روانہ ہو گئے۔

مسلم کی روانگی سے قبل امام نے سعید اور ہانی بن عروہ کے ہاتھ ایک خط اہل کوفہ کے نام اس مضمون کا ارسال کیا یہ لوگ یعنی سعید وہانی بن عروہ تمہارے خطوط لے کر پہنچے تمہاری تحریر کو میں نے غور سے پڑھا تمہاری بات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا کوئی امام نہیں ہے لہذا تم مجھے بلا رہے ہو، سردست میں اپنے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل کو بھیج رہا ہوں یہ میرے معتمد ہیں اور میں نے ان سے کہہ دیا ہے کہ وہ مجھے تمہارے حالات کی اطلاع دیں گے اگر انہوں نے اطلاع دی کہ کوفہ کے سربر آوردہ افراد اس بات پر متفق ہیں تو میں آجاؤں گا ۔واضح رہے امام کتاب خدا پر کامل عدالت کا پابند ۔حق اور مرضی معبود کا ہمہ وقت خواستگار ہوتا ہے۔ والسلام حسین بن علی بن ابی طالب جناب مسلم مکہ سے مدینہ تشریف لائے اور روضہ رسول میں نماز ادا کر کے صبح ہوتے ہی کوفہ کی سمت سفر کا آغاز کر دیا۔ راستہ کی مشکلات برداشت کرتے ہوئے مدینہ سے کوفہ پہنچے اور مختار بن عبید ثقفی کے گھر قیام پذیر ہوئے۔ جناب مسلم کی آمد کی خبر سن کر اہل کوفہ مختار کے گھر میں جمع ہوئے آپ نے امام حسین علیہ السلام کا خط پڑھ کر سنایا تو لوگ جوش محبت وعقیدت سے رونے لگے۔ اور بعض باا ثر عقیدت مندوں نے کھڑے ہو کر اپنے جذبات کا اظہار کیا اور اپنی نصرت کا یقین دلایا اسکے بعد لوگ آپ کے ہاتھوں پر امام حسین (ع) کی بیعت کرنے لگے۔ اگرچہ جناب مسلم نے ان لوگوں سے بیعت کا مطالبہ نہیں کیا تھا لیکن جب وہ بہ رضا ورغبت بیعت کرنے لگے تو آپ نے ان سے اس طرح بیعت لی جس طرح رسول نے قبیلہ خزرج وغیرہ سے بیعت لی تھی بیعت کے الفاظ یہ تھے: کتاب خدا وسنت رسول کی طرف دعوت ، ظالموں اور سرکشوں سے جہاد، مستضعفین سے دفاع، محروموں کے حقوق کی بازیابی، غنائم کی صحیح تقسیم اور اہل بیت کی نصرت۔

بیعت کرنے والوں کی تعداد میں اختلاف ہے اس اختلاف کا سبب یہ ہے کہ بیعت ایک ہی روز نہیں ہوئی تھی بلکہ اس کا سلسلہ کم وبیش ایک ماہ جاری رہا تھا۔ اسی لئے بیعت کرنے والوں کی تعداد معین نہیں کی جا سکتی۔[133]

لیکن جب ابن زیاد ملعون کوفہ کا گورنر بن کر آیا تو اس نے اہل کوفہ سے کہا: شام سے بہت جلد لشکر آنے والا ہے، جو تم کو تباہ وبرباد کر دے گا نیز تمہاری جان اور آبرو بھی محفوظ نہ رہ سکے گی۔ چنانچہ وہ افراد جنہوں نے ابن زیاد کا کلام سنا تھا، وہاں سے نکل کر مہاجرین کے اہل خانہ کے پاس پہنچے اوران کی ماں بہنوں اور بیویوں کو ورغلایا کہ تمہارے وارثوں کو شام کا لشکر آکر تہہ تیغ کر دیگا اور لشکر آنے ہی والا ہے عورتوں کا دل اپنے وارثوں، بھائیوں بھتیجوں کے قتل سے لرزنے لگا اور بے تحاشا گھروں سے نکل پڑیں اور اپنے اپنے عزیزوں کے

---

[133] الشہید المسلم ص ۱۰۳ اومبعوث الحسین ص ۱۰

دامن پکڑ کر فریادیں کرنے لگیں جن سے مہاجرین کے دل بھی کانپنے لگے کچھ تو انہیں عورتوں کے ساتھ چلے گئے اور کچھ موقع دیکھ کر فرار ہوگئے اور جناب مسلم وہاں پہنچے تو بہت مختصر افراد کو موجود پایا شام ہوتے ہی آپ کے پاس صرف ۳۰ افراد بچے تھے اسی قلیل تعداد کے ساتھ آپ نے نماز مغربین ادا کی نماز کے بعد ان میں سے بھی دس فرار ہو چکے تھے مسلم مسجد سے باہر تشریف لائے تو دیکھا کہ آپ کے ساتھ دس ہی افراد رہ گئے ہیں انہیں لوگوں کے ہمراہ آپ باب کندہ کی طرف روانہ ہوئے مسلم محلہ کندہ میں جس وقت پہنچے تو اپنے کو تنہا پایا اب آپ کے ہمراہ کوئی راستہ بتانے والا بھی نہ تھا اور ابن زیاد کی دھمکی آمیز تقریر سے کوفہ میں سناٹا چھایا ہوا تھا ہر ایک کے مکان کا دروازہ بند نظر آتا تھا مسلم کی نگاہ ایک عورت پر پڑی جو اپنے دروازہ پر کھڑی اپنے بیٹے کا انتظار کر رہی تھی چونکہ مسلم پر پیاس کا شدید غلبہ تھا اور دوسری طرف کوفیوں کی غداری کے احساس نے بھی کافی متاثر کر دیا تھا آپ نے اس عورت کے پاس جا کر سلام کیا اور کہا میں پیاسا ہوں مجھے پانی پلا دو۔ اس عورت کا نام طوعہ تھا جو پہلے محمد بن اشعث کی کنیز تھی اور آزادی کے بعد اسید حضرمی کے نکاح میں آگئی تھی اس سے ایک لڑکا بلال پیدا ہوا وہ اسی لڑکے کا انتظار کر رہی تھی طوعہ اندر سے پانی لائی مسلم نے پانی پیا پھر وہ کاسہ رکھنے اندر چلی گئی اور جب لوٹ کر آئی تو دیکھا کہ وہ شخص دروازے ہی پر بیٹھا ہوا ہے طوعہ نے کہا اے بندہ خدا کیا میں نے تمہیں پانی نہیں پلایا ؟ اس کے بعد فوراً حضرت مسلم سے کہا: تم اب اپنے گھر کیوں نہیں جاتے ؟

مسلم خاموش رہے اس نے دو تین مرتبہ کہا تو مسلم نے جواب دیا! اے کنیز خدا میرا اس شہر میں کوئی گھر نہیں ہے کیا تم اپنے گھر میں مجھے پناہ دے کر ثواب حاصل کرو گی ؟ ممکن ہے اپنی زندگی میں، اس کا کچھ عوض دے سکوں. طوعہ نے پوچھا آپ کون ہیں آپ نے فرمایا: میں مسلم بن عقیل ہوں کوفہ والوں نے میرے ساتھ غداری کی ہے ۔طوعہ نے کہا آپ مسلم ہیں آیئے میرا گھر حاضر ہے آپ داخل خانہ ہوئے طوعہ نے ایک الگ کمرے میں فرش لگایا کھانا لائی مگر آپ نے کھانا تناول نہیں فرمایا. اسی اثنا میں طوعہ کا لڑکا بلال آگیا اس نے اپنی ماں کو جب اس کمرہ میں باربار آتے جاتے دیکھا تو معلوم کیا کہ آپ اس کمرہ میں آج باربار کیوں داخل رہی ہیں بتایئے ماجرا کیا ہے ؟ لڑکے کی ضد نے اس کو یہ راز بتانے پر مجبور کر دیا پہلے اس نے لڑکے سے کہا : تم یہ قسم کھاؤ کہ یہ بات کسی سے نہیں بتاؤ گے اس نے قسم کھائی تو طوعہ نے کہا کہ آج ہمارے گھر میں مسلم بن عقیل مہمان ہیں وہ یہ بات سن کر خاموشی سے لیٹ گیا لیکن صبح ہونے کا بے چینی سے انتظار کرنے لگا ، صبح ہوتے ہی طوعہ کا لڑکا بلال ، عبدالرحمن بن محمد بن اشعث کے پاس گیا اور اسے بتایا کہ مسلم بن عقیل ہمارے گھر میں موجود ہیں عبدالرحمن ، فوراہی دربار ابن زیاد میں اپنے باپ کے پاس پہنچا اور اس کے کان میں آہستہ سے کہا کہ مسلم ہمارے محلہ کے گھر میں چھپے ہوئے ہیں ابن زیاد نے پوچھا کہ لڑکا کیا کہہ رہا ہے ؟ محمد بن اشعث نے جواب دیا کہ کہتا ہے مسلم بن عقیل ہمارے گھروں میں سے کسی گھر میں ہیں. مسلم کی گرفتاری کیلئے ابن مرجانہ نے محمد بن اشعث کی سرکردگی میں اسی سواروں کو روانہ کیا جب یہ لشکر طوعہ کے گھر کے قریب پہنچا جناب مسلم نے ہتھیاروں کی جھنکار اور گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنی زرہ پہن کر گھر سے باہر نکلنا ہی چاہتے تھے کہ ابن اشعث کا لشکر گھر میں داخل ہوا اور مسلم کو گرفتار کرنے کے نتیجہ

میں جنگ شروع ہوگئی اور تن تنہا مسلم نے لشکر کو تین مرتبہ گھر سے باہر نکال دیا۔[134]

جب ابن زیاد کے سپاہیوں نے دیکھا کہ اس طرح مسلم بن عقیل پر ہم قابو نہیں پاسکیں گے تو انہوں نے مکانوں کی چھتوں سے جناب مسلم پر پتھر اور آگ برسانا شروع کر دیا، مسلم بن عقیل اس روباہ شکار لشکر کی بزدلی اور اوچھاپن کو دیکھ کر گھر سے نکل آئے اور دلیرانہ جنگ کرنے لگے اور محمد بن اشعث کے بہت سے سپاہیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ مسلم کے حملوں کو دیکھ کر ابن اشعث سمجھ گیا کہ مسلم کو اس طرح گرفتار نہیں کیا جاسکتا لہذا اس نے کہا مسلم آپ کے لئے امان ہے تو آپ نے فرمایا: کیا فریب کار اور بد کردار لوگوں کی امان پر اعتماد کیا جاسکتا ہے؟ لیکن لشکر والوں نے بیک آواز کہا کہ آپ کو دھوکا نہیں دیا جارہا ہے اور نہ ہی آپ سے جھوٹ بولا جارہا ہے ۔ آپ کو اسیر کرکے ابن زیاد کے پاس لایا گیا؛ اور جب جناب مسلم نے اپنی شہادت کے آثار محسوس کئے تو وصیت کے لئے مہلت طلب کی ابن زیاد نے کہا وصیت کی اجازت ہے حضرت مسلم نے ایک مرتبہ پورے مجمع پر نظر ڈالی عمر سعد کے علاوہ کوئی شخص وصیت کے لائق نظر نہ آیا، مجبوری کی حالت میں کمینہ، نالائق اور گھٹیا لوگ بھی قابل اعتماد سمجھ لئے جاتے ہیں، لہذا حضرت مسلم نے بھی ابن سعد کو لائق اعتبار سمجھ کر فرمایا ہمارے تمہارے درمیان ایک قرابت ہے اس لئے تم سے میری ایک خواہش ہے لیکن ابن سعد نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، ابن زیاد نے کہا سن تو لو کیا کہتے ہیں. ابن سعد جناب مسلم کے پاس گیا آپ نے اس کو یہ وصیت کی کہ جب میں کوفہ آیا تھا تو اس وقت میں نے چھ سو درہم قرض لئے تھے ان کو میری زرہ اور تلوار فروخت کرکے ادا کر دینا اور میری شہادت کے بعد ابن زیاد سے میری لاش لے کر دفن کر دینا اور امام حسین علیہ السلام کو خط لکھ کر اس حادثہ سے مطلع کر دینا اور لکھنا کہ کوفہ تشریف نہ لائیے. ابن زیاد نے حکم دیا کہ مسلم کو بالائے بام لے جاکر شہید کر دیا جائے جب مسلم کو چھت پر لے جایا گیا تو اس وقت آپ یاد خدا میں مصروف تھے احمر بن کبیر نے جناب مسلم کا سر تن سے جدا کیا اور لاش کو زمین پر پھینک دیا۔ اِنّا للّٰہِ وَ اِنّا اِلَیْہِ راجعون۔

۱۳ ذی الحجہ: شق القمر

محدثین اور مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ واقعہ ہجرت سے تقریباً ۵ سال پہلے منیٰ کے مقام پر پیش آیا. اس سورہ کا پس منظر نبی کریم ﷺ کی دعوت و تبلیغ کے جواب میں کفّار مکّہ کا رویہ تھا کہ جس کے جواب میں انھیں یہ ایک عظیم الشان نشانی دکھا کر متنبہ کیا گیا تھا. نبی اکرم ﷺ جن تین بنیادی عقائد کی طرف دعوت دے رہے تھے یانی توحید، رسالت اور آخرت، ان تینوں میں سے آخرت کے بارے میں وہ سخت نکتہ چینی کیا کرتے تھے اور اس بات پر تعجب کا اظہار کیا کرتے تھے کہ کس طرح چاند پھاڑ دیا جائے گا اور سورج بجھا دیا جائے گا اور مرنے کے بعد جب قبروں میں ہماری ہڈیاں گل کر مٹی ہو جائیں گی ہم کیونکر زندہ کے جائیں گے. اس تنقید کے ساتھ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نشانیاں اور معجزے طالب کیا کرتے تھے. ایسے میں یہ شق القمر کا معجزہ دکھلا کر یہ ثابت کیا گیا کہ جس طرح سے یہ چاند تمہاری آنکھوں کے سامنے پھٹ کر دو ٹکڑے

---

[134] نفس المہموم؛ البدایۃ والنہایۃ ج۸ ص۱۶۷

ہو گیا اسی طرح قیامت میں اس کا پھٹنا دور نہیں. کئی صحیح احادیث میں اس کا ذکر ہے۔

ایک اور اعتراض جو بعض بے خبر افراد "" شق القمر "" پر کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ اگر یہ واقعہ شق القمر کا اپنی اس اہمیّت کے ساتھ کہ جو وہ رکھتا ہے حقیقت پر مبنی ہوتا تو دُنیا کی تاریخوں میں اس کا ذکر ملتا جب کہ ایسا نہیں ہوا۔ یہ واضح کرنے کے لیے کہ اس اعتراض کی حقیقت کیا ہے اس مسئلہ کا تجزیہ اوراس کی تحلیل کی جاتی ہے۔

(الف) یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ چاند ہمیشہ صرف آدھے کُرّئہ ارض سے نظر آتا ہے اور سارے کُرّے ارض سے بیک وقت نظر نہیں آتا اسی وجہ سے زمین کے آدھے حصّہ کے لوگ تو اس حساب سے خارج ہیں یعنی ان کے اس واقعہ کے دیکھنے کا کوئی امکان ہی نہیں ہے۔

(ب) اس نیم کُرّہ کے جو آدھے لوگ ہیں ان میں، کا سویا ہوا ہونا ممکن ہے، چونکہ معاملہ آدھی رات کے بعد کا ہے اس لیے ساری دُنیا کے چھوتھائی افراد اس واقعہ سے باخبر ہو سکتے ہیں۔

(ج) قابل رویت حصّہ میں بھی عین ممکن ہے کہ آسمان کا کوئی خاص حِصّہ ابر آلود ہو اور چاند کا چہرہ بادلوں میں پوشیدہ ہو۔

(د) آسمانی حوادث افراد کی توجہ صرف اس صُورت میں اپنی طرف مبذول کرتے ہیں جب بجلیوں کی سی شدید کڑک اپنے اندر رکھتے ہوں یا مکمل گرہن کی صُورت میں کہ جب چاند بالکل ہی غائب ہو جائے اور وہ بھی ایک طویل وقفہ کے لیے، یہی وجہ ہے کہ اگر منجمین بے خبر رہتے ہیں۔ صرف وہ لوگ کہ جو اجرامِ فلکی یعنی چاند وغیرہ کا رصد گاہوں میں مشاہدہ کرتے رہتے ہیں یا وہ لوگ کہ اتفاق سے جن کی نگاہ آسمان پر پڑ جائے تو ان کے لیے ممکن ہے کہ وہ ایسے واقعہ سے باخبر ہوں اور کچھ اور لوگوں کو بھی باخبر کر دیں یہی وجہ ہے کہ چاند کا مختصر وقت کے لیے رُونما ہونے والا واقعہ جیسا کہ ابتدا میں سمجھا جاتا تھا، پُوری دنیا کے لوگوں کی توجہ تو جذب کرنے کا سبب نہیں بن سکتا۔ علی الخصوص اس زمانے کے لوگ کہ جو اجرامِ سمجھا جاتا تھا، پُوری دنیا کے لوگوں کی توجہ تو جذب کرنے کا سبب نہیں بن سکتا۔ علی الخصوص اس زمانے کے لوگ کہ جو اجرامِ سماوی کی اہمیّت کے اصولی طور پر بہت کم قائل تھے۔

علاوہ ازیں تاریخ میں مندرج مطالب اوران کی نشرو اشاعت کے وسائل اس زمانے میں محدُود تھے، یہاں تک کہ لکھے پڑھے افراد بہت کم تھے اور کتابیں سرف ہاتھ سے لکھی ہوئی ہوتی تھیں۔ اس وقت موجودہ دور کی کیفیّت نہیں تھی کہ اہم واقعات بجلی کی سی سُرعت کے ساتھ ریڈیو، ٹیلی ویژن اوراخبارات کے ذریعے تمام دنیا میں پھیل جاتے ہیں، اِن پہلوؤں کو اگر پیش نظر رکھا جائے تو اس واقعہ کے غیر اسلامی تاریخوں میں مندرج نہ ہونے پر تعجب نہیں کرنا چاہیئے اوراس صُورتِ حال کو اس واقعہ کی نفی پر محمول نہیں کرنا چاہیئے۔

راویانِ حدیث اور مفسّرین میں اس بات پر قطعاً کوئی اختلاف نہیں ہے کہ شق القمر کا معجزہ پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ہجرت سے پہلے قیامِ مکّہ کے زمانے میں رُونما ہوا۔ لیکن بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ابتدائے بعثتِ پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں ہوا ہے۔[135]

[135]۔ بحارالانوار" جلد ۱۷ صفحہ ۳۴۵ (حدیث ۸

جب کہ بعض دوسری روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ قیامِ مکّہ کے آخری دور میں ہجرت کے قریب ہوا اور وہ بھی کچھ حقیقت کے متلاشی افراد کے تقاضے پر۔ وہ مدینہ میں پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں آئے اور انہوں نے عقبہ میں آپ کی بیعت کی۔[136]

بعض روایات سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف سے شق القمر کا اعجاز دکھانے کی عِلّت یہ تھی کہ جادو اور سحر کے اثرات زمینی امور سے متعلق ہوتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس بات کا اطمینان حاصل کرلیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے معجزات جادو نہیں ہیں۔[137]

متعصّب اور ہٹ دھرم لوگوں کی ایک جماعت نے اس معجزہ کو دیکھ کر کہا کہ ہم اسے قبول کریں گے یہاں تک کہ شام اور یمن کے قافلے آن پہنچیں اور ہم ان سے سوال کریں کہ کیا اُنہوں نے یہ واقعہ دیکھا ہے لیکن جب آنے والے مسافروں نے اس واقعہ کی تصدیق کی تب بھی وہ مشرف بہ اسلام نہیں ہوئے۔[138]

یہاں اہل سنت کی چند روایات بھی نقل کی جاتی ہیں جس سے اس واقعہ کے متفق علیہ ہونا ثابت ہوتا ہے:

حضرات عبدللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہہ سے روایت ہے کہ جس وقت چاند کے دو ٹکڑے ہوئے تو ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منٰی کے میدان میں موجود تھے. آپ نے فرمایا تھا کہ لوگو! گواہ رہنا اور چاند کا ایک ٹکڑا دوسرے سے الگ ہو کر پہاڑ کی طرف چلا گیا تھا۔[139]

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہہ سے روایت ہے چاند پھٹا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دو ٹکڑے ہو گیا. آپ نے فرمایا گواہ رہو۔[140]

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہہ سے روایت ہے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے منیٰ میں کہ چاند پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا. ایک ٹکڑا تو پہاڑ کے اس طرف رہا اور ایک اس طرف چلا گیا. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گواہ رہو۔[141]

آخری نکتہ کہ جس کا ذکر یہاں ضروری ہے وہ یہ ہے کہ دوسرے اور بہت سے معجزات کی طرف یہ معجزہ بھی تاریخ اور ضعیف روایتوں کے خرافات میں آمیزش کا شکار ہو گیا ہے جس کی وجہ سے اس کا چہرہ غور و فکر کرنے والوں کی نظر سے اوجھل ہو گیا۔ مثلاً یہ کہ چاند کے ایک ٹکڑے کا زمین پر آنا وغیرہ مناسب یہ ہے کہ ایسی خرافات کو اس واقعہ سے جُدا رکھنا چاہیئے تاکہ معجزہ کی اصل حقیقت اس میں ملوّث نہ ہو۔

[136]۔ بحارالانوار جلد ۱۷ صفحہ ۳۵۲، حدیث ۱

[137]۔ بحارالانوار، جلد ۱۷ صفحہ ۳۵۵، حدیث ۱۰

[138]۔ درالمنثور جلد ۶، صفحہ ۱۳۳

[139]۔ صحیح بخاری. کتاب 58 انصار کے مناقب۔ حدیث 3868

[140]۔ صحیح بخاری. کتاب 58 انصار کے مناقب۔ حدیث 3869

[141]۔ صحیح مسلم۔ منافقوں کی صفت اور انکے حکم کے مسائل۔ حدیث ۔7072

۱۸ذی الحجہ: عید غدیر

۱۸ذی الحجہ ۱۰ ہجری کو حجۃ الوداع سے واپسی کے موقع پر واقعۂ غدیر رونما ہوا۔اس واقعہ کی تفصیل اسلامی تاریخ کی کتابوں میں کچھ یوں ذکر ہوئی ہے۔

ہجرت کے دسویں سال پیغمبر اکرم (صلي اللہ علیہ و آلہ وسلم) نے حج کا ارادہ کیا اور اپنے حج پر جانے کي سب کو خبر دی۔ یہ خبر سن کر بہت سے گروہ مدینہ آگئے تاکہ مناسک حج نبی اکرم ﷺ کے ساتھ بجالائیں اور آپ ؐ کي پیروي کریں۔ حجۃ الوداع، حجۃ الاسلام، حجۃ البلاغ، حجۃ الکمال اور حجۃ التمام یہ وہ نام ہیں جو ہجرت کے بعد پیغمبر اکرم (صلي اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے اس آخري حج کے رکھے گئے۔

آنحضرت ﷺ چوبیس یا پچیس ذي قعدہ کو شنبہ کے روز (جب ماہ ذي الحجہ کا چاند نظر آنے میں پانچ یا چھے روز باقي تھے) غسل اور لباس احرام باندھ کر مدینہ سے پیدل روانہ ہوتے ہیں اور اپني بیویوں کو بھي اونٹوں کے کجاؤں پر سوار کرکے اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ اسی طرح تمام اہل بیت، مہاجرین و انصار اور عربوں کے دوسرے بہت سے قبائل آپ کے ساتھ حج کے لئے روانہ ہوتے ہیں۔ اس دوران آبلہ یا گرمي کي بیماري پھیلنے کي وجہ سے بہت سے لوگوں کو آپ کي ہمراہي نصیب نہ ہو سکي، لیکن اس کے باوجود اس قدر اژدھام تھا جس کي تعداد خدا کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔

حج کے وقت اس اژدھام میں اور اضافہ ہو جاتا ہے، اہل مکہ نیز یمن کي ایک جماعت حضرت علي بن ابي طالب (علیہ السلام) کي ہمراہي میں آپ کے ساتھ مکہ پہنچي۔ مناسک حج کو انجام دینے کے بعد تمام حاجي مدینہ کي طرف روانہ ہوتے ہیں، راستہ میں ایک جگہ کا نام جحفہ ہے جہاں سے مدینہ، مصر اور عراق کا راستہ الگ الگ ہو جاتا ہے اور اسي کے نزدیک ایک تالاب واقع ہے جس کا نام "غدیر خم" ہے۔

اٹھارہ ذي الحجہ کو جمعرات کے روز جب یہ یہ قافلہ اس تالاب کے پاس پہنچتا ہے تو خداوند عالم کي طرف سے جبرئیل امین نازل ہوتے ہیں:" یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک"(یعنی؛ ائے پیغمبر! جو کچھ تمہارے پروردگار کي طرف سے نازل ہوا ہے اس کو کامل طور سے لوگوں تک پہنچادو)

خداوند عالم نے حکم دیا کہ حضرت علي (علیہ السلام) کو چراغ ہدایت اور دین کا علمبردار معین کردو اور سب کو آپ کي ولایت اور اطاعت کا حکم دو

رسول گرامي (صلي اللہ علیہ و آلہ وسلم) نے حکم دیا: جو لوگ آگے چلے گئے ہیں ان کو روکا جائے اور جو پیچھے رہ گئے ہیں ان کا انتظار کیا جائے۔ گرمي کا دن بہت زیادہ گرم تھا، حاجیوں نے اپني عبا کا آدھا حصہ سر پر اور آدھا حصہ اپنے پیروں کے نیچے رکھ رکھا تھا اور ایک درخت پر کپڑا ڈال کر اس کے ذریعہ پیغمبر اکرم (صلي اللہ علیہ و آلہ وسلم) پر سایہ کر رکھا تھا، نماز ظہر کا وقت قریب ہوا تو پیغمبر اکرم (صلي اللہ علیہ و آلہ وسلم) نے نماز پڑھائی

نماز کے بعد حاجیوں کے درمیان کجاؤں کے منبر پر تشریف لے گئے اور بلند آواز میں خطبہ ارشاد فرمایا:" الحمد للہ و نستعینہ و نومن بہ، و نتوکل علیہ، و نعوذ باللہ من شرور انفسنا، و من سیئات اعمالنا، الذي لاھادي لمن اضل، ولا مضل لمن ھدي ،و اشھد ان لا الہ الا اللہ،و ان محمدا عبدہ و رسولہ اما بعد : ایھا الناس قد نباني اللطیف الخبیر : انہ لم یعمر نبي

الا مثل نصف عمر الذي قبله و اني اوشک ان ادعي فاجيب، و اني مسئوول، و انتم مسئوولون،فماذا انتم قائلون؟"۔

تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، ہم اس سے مدد مانگتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور اسي پر توکل کرتے ہیں، اپنے نفس اور اپنے اعمال کي برائیوں سے اس کي پناہ مانگتے ہیں، جس کو خداوند عالم گمراہ کرے اس کي کوئی ہدایت نہیں کرسکتا اور جس کي وہ ہدایت فرمائے اس کو کوئي گمراہ نہیں کرسکتا، میں گواہي دیتا ہوں کہ اس کے علاوہ کوئي معبود نہیں ہے اور محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اس کے رسول ہیں۔

ائے لوگو! خداوند لطیف(بہترین تدبیر کرنے والے)و خبیر(مصلحتوں کے جاننے والے) نے مجھے خبر دي ہے: ہر نبي کي عمر اس سے پہلے والے نبي کي عمر سے آدھي ہے۔اور بہت جلد میں دعوت حق کو لبیک کہنے والا ہوں، میري کچھ ذمہ داریاں ہیں اور تمہاري بھي اپني ذمہ داریاں ہیں، تم کیا کہتے ہو؟

لوگوں نے کہا: ہم گواہي دیتے ہیں کہ آپ نے دین کي تبلیغ کي اور ہمیں نصیحتیں کیں، اور اس سلسلہ میں آپ نے بہت زیادہ زحمتیں اٹھائي ہیں، خداوند عالم آپ کو جزائے خیر دے۔!

آپ نے فرمایا:" الستم تشهدون ان لا اله الا الله، و ان محمدا عبده و رسوله و ان جنته حق و ناره حق، و ان لموت حق، و ان الساعة آتية لا ريب فيها ، و ان الله يبعث من في القبور؟ "

یعني؛ کیا تم گواہي نہیں دیتے ہو کہ خداوند عالم کے علاوہ کوئي معبود نہیں ہے اور محمد اس کے بندہ اور رسول ہیں، اس کي بہشت، جہنم اور موت حق ہے اور یقینا قیامت آئے گي اور وہ مردوں کو زندہ کرے گا۔

سب نے کہا: ہم گواہي دیتے ہیں۔

آپ نے فرمایا:" اللهم اشهد " خداوندا! گواہ رہنا

اس کے بعد فرماتے ہیں:" ايها الناس الا تسمعون " اے لوگو! کیا تم نے نہیں ن سن رہے ہو؟!

سب نے کہا: ہم سن رہے ہیں۔

آپ نے فرمایا: " فاني فرط علي الحوض و انتم واردون علي الحوض ، و ا ن عرضه ما بين صنعاء و بصري، فيه اقداح عدد النجوم من فضة، فانظروا كيف تخلفوني في الثقلين "

" میں تم سے پہلے (جنت اور) حوض (کوثر) پر پہنچوں گا اور تم بھي بہت جلد اسي حوض کے کنارے میرے پاس آوٴگے، وہ حوض ایسي ہوگا جس کا فاصلہ صنعا اور بصرہ کے برابر ہوگا، لہذا میرے بعد ان دونوں سے تم کس طرح پیش آوٴگے؟

کسي نے بلند آواز سے کہا: یارسول اللہ (صلي اللہ علیہ و آلہ وسلم) یہ دو "ثقل" اور دو "گرانقدر" چیزیں کیا ہیں؟

آپ نے فرمایا:" الثقل الاكبر كتاب الله طرف بيدالله عز و جل و طرف بايديكم فتمسكوا به لا تضلوا ، والآخر الاصغر عترتي، وان اللطيف الخبير نباني انهما لن يتفرقا حتي يردا علي الحوض، فسالت ذلک لهما ربي "

"یعني؛ ثقل اکبر" خدا کي کتاب ہے، ایک طرف سے وہ خداوند عالم کے ہاتھ میں ہے اور دوسري طرف سے تمہارے ہاتھ میں ہے، اس کو مضبوطي سے پکڑ لو تاکہ گمراہ نہ ہو سکو اور "ثقل اصغر" میري "عترت اور اہل بیت" ہیں۔ خداوند لطیف و خبیر نے مجھے خبر دي ہے کہ میرے پاس حوض کوثر پر پہنچنے تک یہ دونوں ایک دوسرے سے

جدا نہیں ہوں گے اور میں نے بھي اپنے پروردگار سے یہي گذارش کي ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ رہیں،(اور کبھي ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں)

" فلا تقدموهما فتهلكوا، و لا تقصروا عنهما فتهلكوا " ان دونوں سے آگے نہ بڑھنا اور نہ ہلاک ہو جاؤ گے اور ان دونوں سے دوري اختیار نہ کرنا اگر دوري اختیار کرو گے تو پھر بھي ہلاک ہو جاؤ گے۔

اسي وقت آپ نے حضرت علي (علیہ السلام) کا ہاتھ پکڑ کر اتنا بلند کیا کہ آپ کي بغلوں کي سفیدي نمودار ہو گئي اور لوگوں نے حضرت علي (علیہ السلام) کو پہچان لیا۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا:" ايها الناس من اولي الناس بالمومنين من انفسهم " اے لوگو! مومنین کے نفسوں پر ان سے زیادہ سزاوار کون ہے؟

سب نے کہا: خداوند عالم اور اس کا رسولؐ بہتر جانتے ہیں۔

آپ نے فرمایا: " ان الله مولاي ، و انا مولي المومنين،و انا اولي بهم من انفسهم ، فمن كنت مولاه فعلي مولاه " خداوند عالم میرا سرپرست ہے اور میں مومنین کا سرپرست ہوں اور میں ان سے زیادہ ان پر حق رکھتا ہوں، پس جس کا میں مولا ہوں اس کے یہ علي مولا ہیں۔

اور اس جملہ کي تین بار تکرار فرمائي، احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ چار مرتبہ تکرار کي۔

اس کے بعد فرمایا:" اللهم وال من والاه ، و عاد من عاداه، و احب من احبه، و ابغض من ابغضه و انصر من نصره، و اخذل من خذله، و ادر الحق معه حيث دار الا فليبلغ الشاهد الغائب "

خدایا! جو ان کو دوست رکھے تو بھي اس کو دوست رکھ اور جو ان سے دشمني کرے تو بھي اس سے دشمني کر، جو بھي محبت اور خوشي سے ان کي عظمت کو قبول کرے تو بھي اس کي عظمت میں اضافہ کر اور جو بھي بغض وحسد کي وجہ سے ان کو ذلیل وخوار کرنا چاہے تو بھي اس کو ذلیل وخوار کر، جو ان کي مدد کرے تو بھي اس کي مدد کر اور جو ان کي مدد نہ کرے تو بھي اس کي مدد نہ کر، ان کو حق کا ملاک قرار دے اور اے لوگو! اس بات کو ان لوگوں تک پہنچا دینا جو یہاں پر نہیں ہیں۔

ابھي تمام حاجي منتشر نہیں ہوئے تھے کہ جبرئیل امین اس آیت کو لے کر نازل ہوئے:" اليوم اكملت لكم دينكم و اتممت عليكم نعمتي "

آج تمہارے دین کو تمہارے لئے کامل کر دیا اوراپني نعمتوں کو تمہارے اوپر تمام کر دیا۔

یہاں پر خاتم الانبیاء (صلي اللہ علیہ و آلہ وسلم) فرماتے ہیں:" الله اكبر علي اكمال الدين ، واتمام النعمة، و رضا الرب برسالتي، والولاية لعلي من بعدي " ۔ اللہ اکبر! اکمال دین، اتمام نعمت پر اللہ اکبر، میري رسالت اور میرے بعد علي کي ولایت پر خدا راضي ہے۔

اس کے بعد لوگوں نے امیر المومنین حضرت علي (علیہ السلام) کو تبریک ومبارک دینا شروع کیا۔

ابو بکر اور عمر نے تمام صحابہ سے پہلے آپ کو مبارکباد دیتے ہوئے کہا: " بخ بخ لک يا بن ابي طالب، اصبحت وامسيت مولاي و مولي كل مومن و مومنة " مبارک ہو

ابو طالب کے فرزند، آج سے ہمیشہ کے لئے تم میرے اور ہر مومن مرد وعورت کے مولي ہو گئے

ابن عباس کہتے ہیں:" وجبت واللہ في اعناق القوم "

خدا کي قسم !حضرت علي (عليہ السلام) کي ولايت لوگوں پر واجب ہو گئي۔

يہ واقعہ غدير کا خلاصہ ہے جس پر امت اسلامي متفق ہے تاريخ اسلام ميں اس کے علاوہ کوئي اور غدير کا واقعہ موجود نہيں ہے ،اگر کسي کے سامنے " روز غدير" کے متعلق کوئي بات کريں تو اس کے ذہن ميں يہي واقعہ آئے گا اور اگر "غدير کي جگہ " کہا جائے تو سب کے ذہن ميں "خم " کا يہي تالاب آئے گا جو "جحفہ " کے نزديک ہے۔[142]

۲۴ذي الحجہ :روز مباہلہ

۲۴ ذي الحجہ دہم ہجري کو مباہلہ کا عظيم الشان واقعہ پيش آيا جس کا ذکر قرآن نے سورۂ آل عمران کي آيت ٦١ ميں کيا ہے ۔مباہلہ " دراصل " بھل " کے مادہ سے ہے،اس کا معني ہے "رہا کرنا " اور کسي کي قيد وبند کو ختم کر دينا ہے۔اسي بناء پر جب کسي جانور کو اس کے حال پر چھوڑ ديں اور اس کے پستان کسي تھيلي ميں نہ باندھيں تاکہ اس کا نوزائيدہ بچہ آزادي سے اس کا دودھ پي سکے تو اسے " باھل " کہتے ہيں۔لغت ميں " ابتھال" تضرع وزاري اور کام خدا کے سپرد کرنے کے معني ميں آتا ہے۔

کبھي کبھار يہ لفظ ہلاکت ، لعنت اور خدا سے دوري کے معني ميں اس لئے استعمال ہوتا ہے کہ بندے کو اس کے حال پر چھوڑ دينا منفي نتائج کا حامل ہوتا ہے۔يہ تو تھا" مباہلہ " کا مفہوم اصل لغت کے لحاظ سے ليکن اس مروج مفہوم کے لحاظ سے جو کچھ مباہلہ کي آيت ميں مراد ليا گياہے يہ دو اشخاص کے درميان ايک دوسرے پر نفرين کرنے کو کہتے ہيں اور وہ بھي اس طرح کہ دو گروہ جو کسي اہم مذہبي مسئلے ميں اختلاف رائے رکھتے ہوں ، ايک جگہ جمع ہو جائيں ، بار گاہ الٰہي ميں تضرع کريں اور اس سے دعا کريں کہ وہ جھوٹے کو رسوا وذليل کرے اور اسے سزا وعذاب دے

آيہ مباہلہ ميں خدا تعاليٰ نے اپنے پيغمبر کو حکم ديا ہے کہ ان واضح دلائل کے بعد بھي کوئي شخص تم سے حضرت عيسيٰؑ کے بارے ميں گفتگو اور جھگڑا کرے تو اسے " مباہلہ کي دعوت دو اور کہو کہ وہ اپنے بچو ں ، عورتوں او ر نفسوں کو لے آئے اور تم بھي اپنے بچوں اور عورتوں اور نفسوں کو بلاؤ پھر دعا کرو تاکہ خدا جھوٹوں کو رسوا کر دے (فَمَنْ حَاجَّکَ فيهِ مِنْ بَعْدِ ما جاءَکَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعالَوْا نَدْعُ أَبْناءَنا وَ أَبْناءَکُمْ وَ نِساءَنا وَ نِساءَکُمْ وَ أَنْفُسَنا وَ أَنْفُسَکُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْکاذِبِينَ)۔[143]

اسلامي روايات ميں ہے کہ " مباہلہ " کي دعوت دي گئي تو نجران کے عيسائيوں کے نمائندے پيغمبر اکرم کے پاس آئے اور آپ سے مہلت چاہي تاکہ اس بارے ميں سوچ بچار کر ليں اور اس سلسلے ميں اپنے بزرگوں سے مشورہ کر ليں۔ مشورے کي يہ بات ان کي نفساتي حالت کي چغلي کھاتي ہے۔ بہر حال مشورے کا نتيجہ يہ نکلا کہ عيسائيوں کے مابين يہ طے پايا کہ اگر محمد شور وغل، مجمع اور داد وفرياد کے ساتھ "

[142]۔اقتباس از جامع الغدير،صفحہ 41

[143]۔ سورۂ آل عمران:٦١

مباہلہ" کے لئے آئیں تو ڈرانہ جائے اور مباہلہ کر لیا جائے کیونکہ اگر اس طرح آئیں تو پھر حقیقت کچھ بھي نہيں جبھي شور وغل کا سہارا لیا جائے اور اگر وہ بہت محدود افراد کے ساتھ آئیں بہت قریبي خواص اور چھوٹے بچوں کو لے کر وعدہ گاہ میں پہنچیں تو پھر جالینا چاہئیے کہ وہ خدا کے پیغمبر ہیں اور اس صور میں ان سے "مباہلہ" کرنے سے پرہیز کرنا چاہیئے کیونکہ اس صورت میں معاملہ خطرناک ہے ۔

طے شدہ پروگرام کے مطابق عیسائي میدان مباہلہ میں پہنچے تو اچانک دیکھا کہ پیغمبر اپنے بیٹے حسین (علیہ السلام) کو گود میں لئے حسن (علیہ السلام) کا ہاتھ پکڑے اور علي (علیہ السلام) و فاطمہ (علیہ السلام) کو ہمراہ لئے آپہنچے ہیں اور انہیں فرمارہے ہیں کہ جب میں دعا کرو، تم آمین کہنا۔

عیسائیوں نے یہ کیفیت دیکھي تو انتہائي پریشان ہوئے اور مباہلہ سے رک گئے اور صلح و مصالحت کے لیے تیار ہو گئے اور اہل ذمہ کي حیثیت سے رہنے پر آمادہ ہو گئے۔[144]

---

[144]۔ تفسیر نمونہ، جلد2، صفحہ671

امام حسینؑ کی سیرت، فضائل، تعلیمات

اور قیام کے اسباب

از: گروہ تحریر و تحقیق

امام حسین علیہ السلام تاریخ اسلام کی وہ عظیم ہستی ہیں جن کی سیرت واخلاق و کردار اور تعلیمات نے دنیائے اسلام میں ایسا انقلاب برپا کیا ہے جس کے اثرات تاقیامت باقی رہیں گے اور ظلم و ستم کے خلاف ایک علامت ونشان راہ کی حیثیت سے قائم رہیں گے۔ امام عالی مقام کی سیرت واخلاق پوری نسل انسانیت کے لئے اُسوہ و نمونہ کی حیثیت رکھتاہے جس کا مطالعہ ہر دور کے انسانوں کے لئے ضروری ہے۔ اسی مقصد کے تحت مختلف محققین کی کتب سے سیرت و کردار حسینؑ کے بارے میں چند اقتباسات پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جارہی ہے۔

اس سلسلے میں دنیائے اسلام کی عظیم سیاسی و دینی شخصیات میں نے جو کچھ لکھا اور کہاہے اُس کا خلاصہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔ حضرت آیت اللہ العظمٰی سید علی خامنہ ای امام حسین علیہ السلام کی سیرت کے بارے میں لکھتے ہیں:

سب سے پہلے مرحلے پر یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ واقعہ کتنا عظیم ہے تا کہ اِس کہ علل و اسباب کو تلاش کیا جائے اور کوئی یہ نہ کہے کہ واقعہ کربلا میں صرف قتل ہوا ہے اور چند افراد قتل کر دیے گئے ہیں؟ جیسا کہ ہم سب زیارت عاشورا میں پڑھتے ہیں کہ " لَقَد عَظُمَتِ الرَّزِيَّة وَ جَلَّت وَ عَظُمَتِ المُصِيبَة "یہ مصائب ومشکلات بہت بڑي تھیں ''رزیّہ'' یعني بہت عظیم حادثہ؛ یہ حادثہ اور واقعہ بہت عظیم اور کمر توڑ دینے والا اور اپني نوعیت کا بے نظیر واقعہ ہے لہذا اِس واقعہ کي عظمت و بزرگي کا اندازہ لگانے کیلئے میں سید الشہدا کي حیات طیبہ سے تین ادوار کو اجمالي طور پر آپ کے سامنے بیان کرتا ہوں۔ آپ ملاحظہ فرمائیے کہ سید الشہدا کي حیات کے اِن تین ادوار کا مطالعہ کرنے والا شخص اِن تینوں زمانوں میں ایک ایسي شخصیت کو سامنے پاتا ہے کہ جس کیلئے یہ گمان بھي نہیں کیا جاسکتا ہے کہ نوبت یہاں تک جا پہنچے گي کہ اِس شخصیت کے جدّ کي امت کے کچھ افراد روز عاشورا اُس کا محاصرہ کرلیں اور اُسے اور اُس کے اصحاب و اہل بیت کا نہایت سفاکانہ اور دردناک طریقے سے قتل عام کریں اور خواتین کو اسیر و قیدي بنالیں!

اِن تینوں زمانوں میں سے ایک دور پیغمبر اکرم (ص) کي حیات کا زمانہ ہے، دوسرا زمانہ آپ کي جواني یعني رسول اکرم (ص) کے وصال کے بعد پچیس سال اور امیر المومنین کي حکومت تک کا زمانہ ہے جبکہ تیسرا

زمانہ امیر المومنین کي شہادت کے بعد بیس سال کے عرصے پر محیط ہے۔

دورِ طفولیت

پیغمبر اکرم ﷺ کي حیاتِ طیبہ کے اِس نوراني دور میں امام حسین حضرت ختمي مرتبت (ص) کے نور چشم تھے۔ پیغمبر اکرم ﷺ کي ایک صاحبزادي تھیں بنام فاطمہ (س) کہ اُس زمانے کے تمام مسلمان جانتے تھے کہ پیغمبر اکرم (ص) نے اُن کے بارے میں فرمایا کہ ''اِنَّ اللّٰہَ لِیَغضِبَ لِغَضَبِ فَاطِمَۃَ وَ یَرضِیۃ لِرِضَاھَا''۔[145] اگر کسي نے فاطمہ کو غضبناک کیا تو اُس نے غضب خدا کو دعوت دي ہے اور اگر کسي نے فاطمہ کو خوش کیا تو اُس نے خدا کو خوشنود کیا''توجہ فرمائیے کہ یہ صاحبزادي کتني عظیم المرتبت ہے کہ حضرت ختمي مرتبت (ص) مجمع عام میں اور کثیر تعداد کے سامنے اپني بیٹي کے بارے میں اِس طرح گفتگو فرماتے ہیں؛ یہ کوئي عام بات نہیں ہے۔

پیغمبر اکرم (ص) نے اپني اِس بیٹي کا ہاتھ اسلامي معاشرے کے اُس فرد کے ہاتھ میں دیا کہ جو عظمت و بلندي اور اپني شجاعت و کارناموں کي وجہ سے بہت بلند درجے پر فائز تھا، یعني علي ابن ابي طالب۔ یہ جوان، شجاع، شریف، سب سے زیادہ با ایمان، مسلمانوں میں سب سے زیادہ شاندار ماضي کا حامل، سب سے زیادہ شجاع اور تمام نبرد و میدان عمل میں آگے آگے تھا۔ یہ وہ ہستي ہے کہ اسلام جس کي شمشیر کا مرہونِ منت ہے، یہ جوان ہر اُس جگہ آگے آگے نظر آتا ہے کہ جہاں سب (بڑے بڑے سورما اور دلیر) پیچھے رہ جاتے ہیں، اپنے مضبوط ہاتھوں سے گتھیوں کو سلجھاتا ہے اور راستے میں آنے والي ہر رکاوٹ کو تہس نہس کر دیتا ہے؛ یہ وہ عزیز ترین اور محبوب ترین داماد ہے کہ جسے خدا کے آخري رسول (ص) نے اپني بیٹي دي ہے۔ اُس کي یہ محبوبیت رشتہ داري اور اقربا پروري اور اِسي جیسے دیگر امور کي وجہ سے نہیں ہے بلکہ اُس شخصیت کي عظمت کي وجہ سے ہے۔ اِس عظیم جوان اور اِس عظیم المرتبت بیٹي سے ایک ایسا بچہ جنم لیتا ہے کہ جو حسین ابن علي کہلاتا ہے۔

البتہ یہي تمام باتیں اور عظمتیں امام حسنؑ کے بارے میں بھي ہیں، لیکن ابھي ہماري بحث صرف سید الشہدا کے بارے میں ہے۔ حسین ابن علي پیغمبر اکرم ﷺ کے نزدیک لوگوں میں سب سے زیادہ عزیز ہیں۔ حضرت ختمي مرتبت ﷺ جو دنیائے اسلام کے سربراہ، اسلامي معاشرے کے حاکم اور تمام مسلمانوں کے محبوب رسول اور قائد ہیں، اِس بچے کو اپني آغوش میں لیتے ہیں اور اُسے اپنے ساتھ مسجد میں لے جاتے ہیں۔ سب ہي یہ بات اچھي طرح جانتے ہیں کہ یہ بچہ، تمام مسلمانوں کي محبوب ترین ہستي کے دل کا چین، آنکھوں کا نور اور اُس کا محبوب ہے۔ رسول اکرم ﷺ، منبر پر خطبہ دینے میں مصروف ہیں، اِس بچے کا پیر کسي چیز سے الجھتا ہے اور زمین پر گر جاتا ہے، پیغمبر اکرم ﷺ منبر سے نیچے تشریف لاتے ہیں، اُسے اپني گود میں اٹھا کر پیار اور نوازش کرتے ہیں؛

یہ ہے اِس بچے کي اہمیت و حقیقت !

پیغمبر اکرم ﷺ نے چھ سات سال کے امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے متعلق فرمایا کہ ''سَیِّدي شَبَابِ اَھلِ الجَنَّۃ ''یہ دونوں

[145]۔ بحار الانوار، جلد 43 صفحہ 44

جوانانِ جنت کے سردار ہیں۔ (یارسول اللہ!) یہ تو ابھي بچے ہیں، ابھي تو سن بلوغ کو بھي نہیں پہنچے اور انہوں نے جواني کي دہلیز میں ابھي تک قدم نہیں رکھا ہے؛ لیکن رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ یہ جوانانِ جنت کے سردار ہیں یعني یہ بچے چھ سات سال میں بھي ایک جوان کي مانند ہیں، یہ سمجھتے ہیں، ادراک رکھتے ہیں، عملي اقدام کرتے ہیں اور شرافت و عظمت اِن کے وجود میں موجزن ہے۔ اگر اُسي زمانے میں کوئي یہ کہتا کہ یہ بچہ، اِسي پیغمبر کي اُمت کے ہاتھوں بغیر کسي جرم و خطا کے قتل کر دیا جائے گا تو اُس معاشرے کا کوئي بھي شخص اِس بات کو ہر گز تسلیم نہیں کرتا۔ جیسا کہ پیغمبرؐ نے یہ فرمایا اور گریہ کیا تو سب افراد نے تعجب کیا کہ کیا ایسا بھي ہو سکتا ہے؟!

امام حسینؑ کا دورانِ جواني

دوسرا دور پیغمبر اکرم (ص) کي وفات کے بعد سے امیر المومنین کي شہادت تک کا پچیس سالہ دور ہے۔ اِس میں یہ شخصیت، جوان، رشید، عالم اور شجاع ہے، جنگوں میں آگے آگے ہے، عالم اسلام کے بڑے بڑے کاموں میں حصہ لیتا ہے اور اسلامي معاشرے کے تمام مسلمان اِس کي عظمت و بزرگي سے واقف ہیں؟ جب بھي کسي جواد و سخي کا نام آتا ہے تو سب کي نگاہیں اِسي پر متمرکز ہوتي ہیں، مکہ و مدینے کے مسلمانوں میں، ہر فضیلت میں اور جہاں جہاں اسلام کا نور پہنچا، یہ ہستي خورشید کي مانند جگمگا رہي ہے، سب ہي اُس کا احترام کرتے ہیں، خلفائے راشدین بھي امام حسن اور امام حسین کا احترام کرتے ہیں، اِن دونوں کي عظمت و بزرگي کے قولاً و عملاً قائل ہیں، ان دونوں کے نام نہایت احترام اور عظمت سے لیے جاتے ہیں، اپنے زمانے کے بے مثل و نظیر جوان اور سب کے نزدیک قابل احترام، اگر اُنہي ایام میں کوئي یہ کہتا کہ یہي جوان (کہ جس کي آج تم اتني تعظیم کر رہے ہو) کل اِسي امت کے ہاتھوں قتل کیا جائے گا تو شاید کوئي یقین نہ کرتا۔

امام حسینؑ کا دورانِ غربت

سید الشہدا کي حیات کا تیسرا دور، امیر المومنین کي شہادت کے بعد کا دور ہے، یعني اہل بیت کي غربت و تنہائي کا دور۔ امیر المومنینؑ کي شہادت کے بعد امام حسنؑ اور امام حسینؑ مدینے تشریف لے آئے۔ حضرت علي کي شہادت کے بعد امام حسینؑ بیس سال تک تمام مسلمانوں کے معنوي امام رہے اور آپ تمام مسلمانوں میں ایک بزرگ مفتي کي حیثیت سے سب کیلئے قابل احترام تھے۔ آپ عالم اسلام میں داخل ہونے والوں کي توجہ کا مرکز، اُن کي تعلیم و تربیت کا محور اور اہل بیتؑ سے اظہار عقیدت و محبت رکھنے والے معنوي امام اس لحاظ سے کہ امیر المومنین کي شہادت کے بعد امامت، امام حسنؑ کو منتقل ہوئي اور آپ کي شہادت کے بعد امامت، امام حسینؑ کو منتقل ہوئي۔ امام حسنؑ کي امامت کا زمانہ یا امام حسینؑ کي اپني امامت کا دور، دونوں زمانوں میں امام حسین ۲۰ سال تک تمام مسلمانوں کے معنوي امام رہے۔

افراد کے توسل و تمسک کے نقطہ ارتکاز کي حیثیت سے مدینے میں زندگي بسر کرتے رہے۔ آپ، محبوب، بزرگ، شریف، نجیب اور عالم و آگاہ شخصیت کے مالک تھے۔

آپ نے معاویہ کو خط لکھا، امام حسینؑ اگر کسي بھي حاکم کو تنبیہ کي غرض سے خط تحریر فرماتے تو عالم اسلام کے نزدیک اُس کي سزا موت تھي، معاویہ پورے احترام کے ساتھ یہ خط وصول کرتا ہے، اُسے

پڑھتاہے، تحمل کرتاہے اور کچھ نہیں کہتا۔ اگر اُسي زمانے میں کوئي یہ کہتا کہ آئندہ چند سالوں میں یہ محترم ، شریف اور نجیب و عزیز شخصیت کو کہ جو تمام مسلمانوں کي نگاہوں میں اسلام و قرآن کي جیتي جاگتي تصویر ہے، اسلام و قرآن کے اِنہي ماننے والوں کے ہاتھوں قتل کر دیا جائے گا اور وہ بھي اُس دردناک طریقے سے کہ جس کا کوئي تصور بھي نہیں کر سکتا تھا تو کوئي بھي اِس بات پر یقین نہیں کرتا۔ لیکن اپني نوعیت کا عجیب و غریب، حیرت انگیز اور یہي ناقابل یقین واقعہ رونما ہوا اور کن افراد کے ہاتھوں وقوع پذیر ہوا۔ وہي لوگ جو اُس کي خدمت میں دوڑ دوڑ کر آتے تھے، سلام کرتے تھے اور اپنے خلوص کا مظاہرہ کرتے تھے۔ اِن (متضاد) باتوں کا کیا مطلب ہے؟ اِس کا مطلب یہ ہے کہ اسلامي معاشرہ اِن پچاس سالوں میں معنویت اور اسلام کي حقیقت سے بالکل خالي ہو گیا تھا، یہ معاشرہ صرف نام کا اسلامي تھا، لیکن باطن بالکل خالي اور پوچ اور یہي خطرے کي سب سے بڑي بات ہے۔ نمازیں ہورہي ہیں، نماز باجماعت میں لوگوں کي کثیر تعداد موجود ہے، لوگوں نے اپنے اوپر مسلماني کا لیبل لگایا ہوا ہے اور کچھ لوگ تو اہل بیت کے طرفدار اور حمایتي بھي بنے ہوئے ہیں!!

پورے عالم اسلام میں سب ہي اہل بیت کو قبول کرتے ہیں اور کسي کو اِس میں کسي بھي قسم کا شک وشبہ نہیں ہے۔ اہل بیتؑ کي محبت تمام عالم اسلام کے دلوں میں موجود ہے اور آج بھي یہي صورتحال ہے۔ آج بھي آپ دنیائے اسلام کے کسي بھي حصے میں جائیے، آپ دیکھیں گے کہ سب اہل بیت سے محبت کرتے ہیں۔ وہ مسجد جو امام حسین سے منسوب ہے اور وہ مسجد جو قاہرہ میں حضرت زینب (س) سے منسوب ہے، ہمیشہ زوّاروں سے پُر رہتي ہے۔ لوگ بڑي تعداد میں یہاں آتے ہیں، قبر کي زیارت کرتے ہیں اور توسل کرتے ہیں۔

ابھي دوتین سال قبل ایک نئي کتاب مجھے دي گئي؛ چونکہ قدیمي کتابوں میں یہ مطالب بہت زیادہ ہیں، یہ کتاب " اہل بیت کون ہیں"؟ کے عنوان سے لکھي گئي ہے۔ سعودي عرب کے ایک محقق نے تحقیق کرکے اِس کتاب میں ثابت کیا ہے کہ اہل بیت سے مراد علي، فاطمہ (س) اور حسن و حسین ہیں۔ یہ حقیقت تو ہم شیعوں کي جان اور روح کا حصہ ہے، لیکن ہمارے اِس سني مسلمان بھائي نے اس حقیقت کو لکھا اور طبع کیا ہے۔ یہ کتاب میرے پاس موجود ہے اور اِس کے ہزاروں نسخے چھپ ہوکر فروخت ہوچکے ہیں۔[146]

امام حسین علیہ السلام کے فضائل

امام حسین (ع) کي زیارت کا ثواب

شیخ صدوق نے کتاب " امالي " میں عبد اللہ بن فضل سے روایت کي ہے ان کا کہنا ہے: میں امام صادق (ع) کے پاس تھا کہ ایک طوس کا رہنے والا آدمي گھر میں داخل ہوا اور امام سے سوال کیا: اے فرزند رسول! جو شخص امام حسین (ع) کي قبر کي زیارت کرے اسے کیا ثواب ملے گا؟

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: اے طوس کے رہنے والے! جو شخص امام حسین (ع) کي قبر کي زیارت کرے گا اس معرفت کے ساتھ کہ امام واجب الاطاعت ہیں یعني خداوند عالم نے تمام انسانوں پر واجب

146۔ آیت اللہ خامنہ اي کي کتاب امام حسین دلربائے قلوب سے اقتباسات۔

کیاہے کہ ان کي اطاعت کریں، خدا اس کے گذشتہ اور آئندہ کے تمام گناہوں کو معاف کر دے گا۔ اس کي شفاعت کو ستر (۷۰) گناہگاروں کے حق میں قبول کرے گا اور امام حسین (ع) کي قبر کے پاس انسان جو حاجت بھي طلب کرے گا خدا اسے بھر لائے گا۔[147]

امام حسین علیہ السلام کي عفوو بخشش

بعض اخلاقي کتابوں میں وارد ہوا ہے کہ عصام بن مصطلق نے کہا: میں مدینہ میں داخل ہوا امام حسین (ع) کو دیکھا کہ عجیب طرح کي چہرہ پہ نورانیت اور ہیبت تھي، میں حسد سے جل گیا اور ان کے باپ کي نسبت جو میرے سینے میں بغض وکنہ تھا ابھر آیا میں نے ان سے کہا: پس ابوترابي آپ ہي ہیں۔ انہوں نے کہا: ہاں؛ جب انہوں نے جواب میں ہاں کہا، میں نے جو کچھ میري زبان پر آیا انہیں اوران کے باپ کو کہااور گالیاں دي،امام حسین (ع) نے ایک محبت بھري نگاہ سے میري طرف دیکھا اور فرمایا:

آعوذ بالله من الشیطن الرجیم، بسم الله الرحمن الرحیم۔ عفو اور بخشش کو اپنا پیشہ بنالو اور نیکي اور صبر کي تلقین کرو، اور جاہل لوگوں سے منہ موڑ لو اور جب شیطان تمہیں وسوسہ میں ڈالنا چاہے تو خدا کي پنا لو۔ بتحقیق وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ صاحبان تقوي، جب شیطاني وسوسوں اور توہمات میں گرفتار ہوتے ہیں خدا کو یاد کرتے ہیں اور فورا آپے سے باہر آتے ہیں اور باخبر ہو جاتے ہیں لیکن شیاطین اپنے بھائیوں کو ضلالت اور گمراہي کي طرف کھینچتے ہیں اور اس کے بعد انہیں گمراہ کرنے میں کوئي دریغ نہیں کرتے۔ (سورہ اعراف کی چند آیات کي تلاوت کے بعد مجھے فرمایا):

تھوڑادھیان اور حواس میں رہو، میں اپنے لیے اور تمہارے لیے خدا سے مغفرت طلب کرتا ہوں۔ اگر تمہیں مدد کي ضرورت ہے تو تمہاري مدد کرتا ہوں اور اگر کسي چیز کي ضرورت ہے تو عطا کرتا ہوں اور اگر راستہ بھول گئے ہو رہنمائي کي ضرورت ہے تو رہنمائي کرتا ہوں۔

عصام کہتا ہے: میں اپنے کئے پہ پشیمان ہوا اور امام نے جب میرے چہرے پہ شرمندگي کے آثار دیکھے تو فرمایا: کوئي ملامت آپ پر نہیں ہے خدا آپ کو معاف کردے گا۔ وہ سب سے زیادہ مہربان ہے۔ (سورہ یوسف)

اس کے بعد فرمایا: کیاتم شام کے رہنے والے ہو؟ عرض کیا: جي ہاں اس کے بعد امام حسین (ع) نے فرمایا:حیانا الله و ایاک۔ یعني خدا ہمیں اور آپ کو زندہ رکھے اور اسکے بعد فرمایا: شرم مت کرو جو تمہیں چاہیے ہے مجھ سے مانگو اور اگر ہم سے کچھ طلب کیا ہمیں اپنے گمان سے بھي زیادہ عطا کرنے میں بڑا پاوگے۔؟

عصام کہتا ہے: زمین مجھ پر تنگ ہو گئي میں سوچ رہا تھا زمین پھٹے اور میں دفن ہو جاؤں اس لیے کہ شرم سے پاني پاني ہو رہا تھا۔ دھیرے دھیرے امام سے دور ہوتا ہوا دور ہو گیا، لیکن اس کے بعد روئے زمین پر امام حسین (ع) اور ان کے باپ سے زیادہ میرے نزدیک کوئي محبوب نہیں تھا۔[148]

---

[147]۔ امالي صدق، ص684، ح11، مجلس 86

[148]۔ سفینۃ البحار، ج2، ص116

ایک سائل کے ساتھ امام کا سلوک

شیخ ابو محمد حسن بن علي بن شعبہ صاحب کتاب "تحف العقول" نقل کرتے ہیں انصار کا ایک آدمي امام حسین (ع) کي خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے اپني حاجت طلب کرنا چاہتا تھا، امام نے اس سے فرمایا:

اے بھائي، اپني عزت کا خیال رکھو، اپني حاجت کو ایک کاغذ پہ لکھو اور مجھے دو انشاء اللہ تمہیں راضي کروں گا۔ اس آدمي نے لکھا: میں فلاں شخص کے پانچ سو دینار کا مقروض ہوں اور وہ اس کے واپس لینے میں اصرار کررہاہے؟ آپ سے تقاضا کررہاہوں کہ اس سے کہیں کہ مجھے اتني مہلت دے جب تک میں آمادہ کرتا۔

جب امام حسین (ع) نے اس کے نوشہ کو پڑھا فوراگھر تشریف لے گئے اور اس تھیلي کو جس میں ہزار دینار تھے لاکے اسے دیا اور فرمایا: پانچ سو دینار سے اپنا قرض ادا کرو اور پانچ سو کو اپنے پاس محفوظ رکھو تاکہ مشکلات میں تمہاري مدد ہوسکے اور یاد رکھو اپني حاجت کو ان تین آدمیوں کے علاوہ کسي سے طلب نہ کرنا جن کو میں پہچنوارہاہوں: دیندار، سخي اور اہل کرامت،: وہ شخص جو شریف خاندان سے تعلق رکھتاہو۔[149]

امام حسین (ع) کا تواضع

روایت میں ہے کہ عاشورا کے دن امام علیہ السلام کے پشت مبارک پر کچھ اثرات رونما تھے۔ امام زین العابدین (ع) سے ان کي وجہ معلوم کي گئي۔ آپ نے فرمایا: ھذا مماکان ینقل الجراب علي ظھرہ إلي مناز الأرامل و الیتامي و المساکین۔ یہ اثرات اس بوجھ کے ہیں جو آپ اپني پشت پر اٹھاکر بیواؤں، یتیموں اور بیکسوں کے گھروں میں پہنچاتے تھے۔[150]

امام حسین (ع) کا احسان

انس کہتے ہیں: میں امام حسین (ع) کي خدمت میں تھا ایک کنیز داخل ہوئي اور پھولوں کا دستہ امام کو ہدیہ دیا۔ امام نے فرمایا: تم راہ خدا میں آزاد ہو۔

عرض کیا: اس نے آپ کے لئے پھولوں کا ایک دستہ لایا کہ جس کي اتني قیمت نہیں ہے کہ آپ اس کو آزاد کردیں۔ امام نے فرمایا

خدا نے اسي طرح کا ہمیں ادب سیکھایاہے اور قرآن میں فرمایا: و إذا حُیِیتُم بِتَحِیۃ فَحَیوا بِأحسَن مِنھا أو رُدُّوھا.[151] جب تمہیں کوئي سلام کرے یاتمہارے ساتھ احسان کرے تم یا تو اس کا ویسا ہي جواب لوٹا دو یا اس سے بہتر جواب دو اور اس کے احسان سے بہتر اس کو آزاد کرنا ہي ہے۔[152]

امام عالی مقام کے قیام کے اسباب

امام حسین علیہ السلام ہمیشہ ایسے موقع کی تلاش میں تھے کہ بنوامیہ کی غاصبانہ اور ظالمانہ حکمرانی کے خلاف قیام کرکے ظلم اور ظالم کی بساط لپیٹ لیں؛ تاہم ایسا موقع امام حسن مجتبی علیہ السلام کی شہادت تک حتی شہادت امام مجتبی (ع) کے کئی سال بعد تک بھی ہاتھ نہیں آیا؛ لیکن زمانہ جتنی کہ معاویہ کی موت قریب آرہی تھی، امام حسن اور امام حسین علیہما السلام نے معاویہ کے خلاف اپنی تشہیری اور

---

[149] ۔ تحف العقول، ص245

[150] ۔ مناقب ابن شھر آشوب، ج4، ص66

[151] ۔ نساء/86

[152] ۔ کشف الغمۃ، ج2، ص31

تبلیغاتی جنگ کو شدت بخشی تا آنکہ معاویہ کی موت سے ایک سال قبل مِنی کے مقام پر 200 صحابیوں اور عالم اسلام کے 500 مفکرین کے اجتماع سے خطاب کیا اور اہل بیت (ع) کے حقوق گنوائے اور انہیں ان حقوق کے احیاء اور ظلم کے خلاف جدوجہد کی دعوت دی۔

امام علیہ السلام نے ان اقدامات کے ذریعے مرگ معاویہ کے بعد بنو امیہ کی حکومت کے خلاف قیام کے لئے مقدمات فراہم کر رہے تھے اور مناسب موقع کی تلاش میں تھے۔

معاویہ کی موت کے ایک سال بعد امام حسین علیہ السلام سفر حج پر نکلے اور عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن جعفر بھی آپ (ع) کے ہمراہ تھے۔ امام (ع) نے بنوہاشم کے تمام مردوں اور خواتین، قرابتداروں اور پیروکاروں کو اکٹھا کیا اور انصار میں سے بھی ان لوگوں کو اکٹھا کیا جنہیں آپ (ع) جانتے تھے یا ان کے خاندان والوں کو جانتے تھے؛ اور کئی قاصد روانہ کرکے اس سال حج کے لئے آنے والے اور صلاح وعبادت کے حوالے سے معروف اصحاب نبی (ص) کو بھی بلوایا تاکہ سب کو اس اجتماع میں حاضر کرسکیں۔

مِنی کے مقام پر امام حسین علیہ السلام کے خیموں میں سات سو اصحاب وعالم اسلام کے ممتاز مفکرین اور علماء اکٹھے ہوئے۔ اکثر افراد تابعی تھے اور 200 صحابہ رسول اللہ (ص) تھے، نیز عام لوگوں کی بھی خاصی تعداد حاضر ہوئی تھی۔

امام حسین علیہ السلام خطبے کے لئے کھڑے ہوئے اور خداوند متعال کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا: اما بعد! اس طاغوت نے ہم اور ہمارے پیروکاروں کے ساتھ جو سلوک روا رکھا ہے وہ آپ سب نے دیکھا ہے، اور آپ جانتے ہیں اور وہ سب آپ کی نظروں کے سامنے ہے۔ میں آپ سے ایک سوال پوچھتا ہوں۔ اگر میں نے سچ بولا تو میری تصدیق کریں اور اگر میں نے جھوٹ بولا تو تردید کریں۔

[گر آپ نے تصدیق کرلی تو] آپ پر اللہ کے حق کی قسم! آپ پر رسول اللہ ﷺ کے حق کی قسم! اور آپ کے پیغمبر (ص) سے میری قرابت کی قسم! کہ اپنے وطن کو لوٹنے کے بعد اپنے قبائل کے قابل اعتماد افراد کو جمع کرو اور میری یہ باتیں ان کے لئے بھی نقل کرو؛ کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ یہ موضوع (امامت) کہیں آپ کی یادوں سے مٹ نہ جائے اور حق مغلوب ہوجائے اور مٹ جائے؛ " فَادعوهُم إلی ما تَعلَمونَ مِن حَقّنا ؛ فإنّي أتَخَوَّفُ أن يَدرُسَ هذَا الأمرُ و يَذهَبَ الحَقُّ و يُغلَبَ "، اور خداوند متعال نے ارشاد فرمایا ہے؛ اور اللہ اپنے نور کو کمال منزل تک پہنچانے والا ہے، چاہے کافر لوگ ناپسند کریں؛ " وَ اللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَ لَوْ كَرِهَ الْكَـٰفِرُونَ "۔[153]

اس کے بعد امام حسین علیہ السلام نے ان حقائق کی یادآوری فرمائی جن میں اس ہر ایک اہل بیت علیہم السلام کی امامت اور ولایت کی حقانیت کی سند ہے اور سات سو نامور افراد کے اجتماع میں شریک سات سو افراد میں سے ہر ایک نے ان حقائق پر گواہی دی ہے۔ مذکورہ حقائق ومعارف کچھ یوں ہیں :

1۔ مواخات کے مشہور تاریخی سنت کے دن- جب مہاجرین وانصار میں سے ہر دو آدمیوں کے درمیان اخوت وبرادری کی رسم ادا کی گئی - رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے علی علیہ السلام کو دنیا اور آخرت میں اپنا بھائی قرار دیا۔

153۔ سورہ صف آیہ ۸

2۔ مسجد کی طرف کھلنے والے تمام دروازے بند مگر علی (ع) کے گھر کا دروازہ!

امام حسین (ع) نے یہ نکتہ بھی سب کو یاد دلایا اور ان سے تصدیق کرائی کہ رسول اللہ (ص) نے خدا کے حکم سے خانہ علی (ع) کے سوا مسجد کی طرف کھلنے والے تمام دروازے بند کروا دیئے۔

3۔ خدا کے حکم کے مطابق دوسروں کو مسجد کی طرف ایک بھی دریچہ کھولنے کی اجازت نہیں دی گئی۔

4۔ رسول اللہ (ص) نے خدا کے حکم سے حجۃ الوداع سے واپسی کے موقع پر غدیر خم کے مقام پر علی علیہ السلام کو خلافت اور ولایت امر کا عہدہ سونپ دیا؛ کیونکہ یہ اس خاندان کی ولایت و امامت کی اہم ترین دلیل ہے جس پر تاکید ہونی چاہئے۔ امام حسین (ع) نے اس حوالے سے خاص طور پر فرمایا: "آپ کو خدا کی قسم دلاتا ہوں، کیا جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے غدیر خم کے دن امیر المؤمنین (ع) کو منصوب کیا اور ولایت کو ان کے لئے مستقر کر دیا اور فرمایا: حاضرین غائبین کو بتائیں؟ اور اجتماع میں حاضر تمام افراد نے مل کر جواب دیا: خدا کی قسم! درست فرما رہے ہیں۔

5۔ حدیث منزلت؛ غزوہ تبوک کے وقت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے علی علیہ السلام سے مخاطب ہو کر فرمایا: تیری نسبت میرے ساتھ ایسے ہے جیسے ہارون کی موسیٰ کے ساتھ، تم میرے بعد ہر مؤمن کے ولی ہو " أنتَ مِنّي بِمَنزِلَةِ هارونَ مِن موسى ، وأنتَ وَلِيُّ كُلِّ مُؤمِنٍ بَعدی "۔

6۔ واقعۂ مباہلہ میں رسول اللہ (ص) کے ہمراہ امیر المؤمنین، سیدہ فاطمۃ الزہراء اور حسنین علیہم السلام کا کردار۔

7۔ قلعۂ خیبر کی فتح اور رسول اللہ (ص) کا یہ کلام مبارک کہ "میں کل یہ عَلَم ایسے فرد کو دونگا جو حملہ کرنے والا اور فرار نہ ہونے والا ہے اللہ اور اس کے رسول (ص) اس سے محبت کرتے ہیں اور وہ اللہ اور اس کے رسول (ص) سے محبت کرتا ہے، اور خداوند متعال اسی کے ہاتھوں قلعۂ خیبر کو فتح فرمائے گا: " لَأدفَعُهُ إلى رَجُلٍ يُحِبُّهُ اللّه ُ ورَسولُهُ ويُحِبُّ اللّه َ ورَسولَهُ، كَرّارٍ غَيرِ فَرّارٍ، يَفتَحُهَا اللّه ُ عَلى يَدَيهِ "

8۔ سورہ برائت کا ابلاغ؛ امام حسین علیہ السلام نے اس واقعے کے بارے میں فرمایا: رسول اللہ (ص) نے خدا کے حکم سے ارشاد فرمایا: میری طرف سے میری اپنی ذات یا میرے کسی فرد کے سوا ابلاغ نہیں کر سکتا؛" لا يُبَلِّغُ عَنّي إلّا أنَا أو رَجُلٌ مِنّي "۔

9۔ رسول اللہ (ص) کو جو بھی مشکل اور دشواری پیش آتی آپ (ص) علی (ع) سے مخاطب ہوتے اور انہیں وہ مسئلہ حل کرنے کے لئے روانہ کرتے۔

10۔ علی علیہ السلام نے فرمایا: اے علی! آپ مجھ سے ہیں اور میں آپ سے ہوں، اور آپ میرے بعد ہر مؤمن اور مؤمنہ کے ولی ہیں؛ " يا عَلِيُّ ! أنتَ مِنّي وأنَا مِنكَ ، وأنتَ وَلِيُّ كُلِّ مُؤمِنٍ ومُؤمِنَةٍ بَعدی"۔

11۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم اپنے علوم و معارف کے خزانے علی علیہ السلام کو منتقل کیا کرتے تھے۔

12۔ رسول اللہ (ص) نے علی (ع) سے اپنی سیدہ بیٹی (س) کا نکاح کراتے وقت فرمایا: " زَوَّجتُكِ خَيرَ أهلِ بَيتي، أقدَمَهُم سِلما وأعظَمَهُم حِلما وأكثَرَهُم عِلما ؛جان پدر! آپ کے شوہر میرے خاندان کے بہترین فرد ہیں، اسلام میں سب پر سبقت

لینے والے، حلم و بردباری میں خاندان کے سب سے عظیم اور عالم ترین ہیں؛ اور یوں آپ (ص) نے علی (ع) کو جعفر اور حمزہ (علیہما السلام) پر فوقیت دی۔

13۔رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا: میں، فرزندان آدم کا سردار و سرور ہوں اور میرے بھائی علی (ع) عرب کے سردار، فاطمہ (س) جنت کی خواتین کی سیدہ اور میرے دو بیٹے حسن و حسین (ع) جنت کے جوانوں کے سردار ہیں؛ " أنَا سَيِّدُ وُلدِ آدَمَ، وأخي عَلِيٌّ سَيِّدُ العَرَبِ، وفاطِمَةُ سَيِّدَةُ نِساءِ أهلِ الجَنَّةِ، وَابناىَ الحَسَنُ وَالحُسَينُ سَيِّدا شَبابِ أهلِ الجَنَّةِ "۔

14۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے وصال سے قبل علی علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ ان کو غسل دیں اور انہیں بتایا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام اس امر میں علی (ع) کی مدد کریں گے۔

15۔ رسول اللہ (ص) نے اپنے آخری خطبے کے ضمن میں ارشاد فرمایا: میں تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں: کتاب اللہ اور میرا خاندان، پس تم ان دو کا دامن تھامو ہرگز گمراہ نہ ہونگے؛" أيُّهَا النّاسُ ! إنّى تَركتُ فيكُمُ الثَّقَلَينِ كِتابَ اللّهِ وأهلَ بَيتى ، فَتَمَسَّكوا بِهِما لَن تَضِلّوا "۔

اس کے بعد امام حسین علیہ السلام نے حاضرین کو قسم دلائی کہ کیا انھوں نے یہ بات رسول اللہ (ص) سنی ہے کہ "جو شخص گماں کرے کہ مجھ سے محبت کرتا ہے اور علی (ع) سے بغض و عداوت رکھے، وہ جھوٹا ہے؛ کوئی بھی علی کی دشمنی کرنے والا کوئی شخص بھی مجھ سے محبت نہیں کرتا۔

کسی نے کہا: یا رسول اللہ (ص)! ایسا کیوں ہے؟

رسول اللہ (ص) نے فرمایا: کیونکہ علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں۔ جو ان سے محبت کرے گا وہ میرا حبدار ہے اور جو میرا حبدار ہے وہ خدا کا محب ہے اور جو شخص ان سے دشمنی کرے گا وہ میرا دشمن اور جو مجھ سے دشمنی کرے گا وہ خدا کا دشمن ہے؛" مَن زَعَمَ أنَّهُ يُحِبُّنى ويُبغِضُ عَلِيّا فقد كَذَبَ ، لَيسَ يُحِبُّنى وهُوَ يُبغِضُ عَلِيّا"! فَقالَ لَهُ قائِلٌ: يا رَسولَ اللّهِ وكَيفَ ذلِكَ؟ قالَ: " لِأَنَّهُ مِنّى وأنَا مِنهُ، مَن أحَبَّهُ فَقَد أحَبَّنى ومَن أحَبَّنى فَقَد أحَبَّ اللّهَ، وَ مَن أبغَضَهُ فَقَد أبغَضَنى ومَن أبغَضَنى فَقَد أبغَضَ اللّهَ "

حاضرین نے اس بات کی بھی تصدیق کردی اور اس کے بعد منتشر ہو گئے۔[154]

خلاصہ یہ کہ قرآن اور اہل بیت (ع) سے دوری معاشروں کو اسلام کی تعلیمات و معارف اور اعلی اقدار سے دور کر دیتی ہے۔ اہل بیت علیہم السلام سے دوری کی صورت میں قرآن کی پیروی بھی اسلامی معاشرے کے انحراف اور نابودی کا راستہ نہیں روک سکتی جیسا کہ قرآن کا دامن چھوڑ کر محبت اہل بیت (ع) کا دعوی کرنے والا معاشرہ بھی فلاح نہیں پا سکتا۔ چنانچہ ہلاکت اور نابودی سے بچاؤ اور سعادت و خوشبختی کے حصول کے لئے اہل بیت (ع) کی پیروی اور اہل بیت (ع) کی ذوات مقدسہ سے ہی قرآنی معارف کا حصول، وہی اہم موضوع ہے جو امام حسین علیہ السلام نے انحراف زدہ معاشرے کی نجات کے لئے مورد تاکید ٹھہرایا ہے۔

---

[154] ۔کتاب سلیم بن قیس "اسرار آل محمد (ص)"، ج2 ص788، بحار الأنوار: ج33 ص181 و الاحتجاج: ج2 ص87

امام حسین(ع) کی حکمت آمیز تعلیمات

قال الامام الحسین علیہ السلام:

" یا اعرابي نحن قوم لا نعطي المعروف الا علي قدر المعرفة "

حضرت امام حسین (ع) علیہ السلام فرماتے ہیں: ہم اہل بیت بخشش نہیں کرتے مگر لوگوں کي معرفت کے مطابق۔

قال الامام الحسین علیہ السلام :

" ان اجود الناس من اعطي من لا یرجوه "

حضرت امام حسین (ع) علیہ السلام فرماتے ہیں : سب سے بڑا سخي وہ انسان ہے جو کسي ایسے کو عطا کرے جس سے کسي قسم کي توقع نہ ہو

قال الامام الحسین علیہ السلام :

"ان اعفي الناس من عفا عن قدرة "

حضرت امام حسین (ع) علیہ السلام فرماتے ہیں : سب سے بڑا عفو کرنے والا انسان وہ ہے جو قدرت ہونے کے باوجود معاف کر دے

قال الامام الحسین علیہ السلام :

"ان اوصل الناس من وصل من قطعہ"

حضرت امام حسین (ع) علیہ السلام فرماتے ہیں : سب سے زیادہ صلہ رحم کرنے والا انسان وہ ہے جو قطع رحم کرنے والوں سے تعلقات قائم کرے۔

قال الامام الحسین علیہ السلام :

"من نفس کربة مومن فرج الله عنہ کرب الدنیا و الاخرة "

حضرت امام حسین (ع) علیہ السلام فرماتے ہیں : جو کسي مومن کے کرب و غم کو دور کرے، خدا اسکے دنیا و آخرت کے غم و اندوہ کو دور کرے گا۔

قال الامام الحسین علیہ السلام :

" موت في عز خیر من حیات في ذل "

حضرت امام حسین (ع) علیہ السلام فرماتے ہیں : ذلت کي زندگی سے عزت کي موت کہیں بہتر ہے۔

قال الامام الحسین علیہ السلام :

"ان حوائج الناس الیکم من نعم الله علیکم فلا تملوا النعم فتحور نقما "

حضرت امام حسین (ع) علیہ السلام فرماتے ہیں :خدا کي نعمتوں میں سے ایک، لوگوں کو تمھارے پاس حاجت کے لئے آنا ہے پس اس نعمت پر حزن و ملال محسوس نہ کرو ورنہ یہ نعمت، نقمت میں تبدیل ہو جائیگي۔

قال الامام الحسین علیہ السلام :

ایها الناس من جاد ساد ، و من بخل رذل۔

حضرت امام حسین (ع) علیہ السلام فرماتے ہیں : لوگو! جود و سخاوت کرنے والا سردار قرار پاتا ہے ، اور بخل کرنے والا ذلیل و رسوا ہوتا ہے۔

قال الامام الحسین علیہ السلام :

ان المومن لا یسئي و لا یعتذر والمنافق کل یوم یسئي و یعتذر۔

ً

حضرت امام حسین (ع)علیہ السلام فرماتے ہیں : مومن نہ برائي کرتا ہے نہ ہي عذر پیش کرتا ہے جب کہ منافق ہر روز برائي کرتا ہے اور ہر روز عذر خواہي کرتا ہے۔

من احبک نهاک و من ابغضک اغراک .
قال الامام الحسين عليه السلام

حضرت امام حسین (ع)علیہ السلام فرماتے ہیں : دوست وہ ہے جو تمہیں برائي سے بچائے دشمن وہ ہے جو تمہیں برائیوں کي ترغیب دلائے۔

قال الامام الحسين عليه السلام :
اني لا اري الموت الا سعاده ولا الحياة مع الظالمين الابرما.

حضرت امام حسین (ع) علیہ السلام فرماتے ہیں: میں موت کو سعادت اور ظالموں کے ساتھ زندگي کو لائق ملامت سمجھتا ہوں۔

جہاد کے وقت امام حسین (ع) کی دعائیں

گروہ محققین ویب سایٹ شیعہ اسٹڈیز

دشمن کے ساتھ جہاد کے وقت آپ کی دعائیں

مدینہ سے روانگی سے قبل روایت ہے کہ سید الشہداء علیہ السلام ایک رات میں گھر سے نکلے اور اپنے جد کی قبر اور مزار کی طرف چل دیئے۔ وہاں پر چند رکعت نماز بجا لائے۔ پھر یوں گویا ہوئے:

"پروردگارا! یہ تیرے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر ہے۔ میں ان کی بیٹی کا لختِ جگر ہوں۔ ایک مشکل درپیش ہے جسے تو جانتا ہے۔ بارِ الہا! میں ہر اچھے کام کو پسند کرتا ہوں اور بُرے کاموں سے نفرت کرتا ہوں۔ اے صاحبِ جلال و اکرام! تجھ سے اس قبر اطہر کے صدقہ میں اور جو اس میں محو خواب ہیں، سوال کرتا ہوں کہ جو کچھ اور جس جس پر تو راضی اور خوش ہے، میرے لئے وہی قرار دے۔ (بحار، ج ۴۴، ص ۳۲۸)

مکہ پہنچنے پر آپ کی دعا

روایت ہے کہ امام حسین علیہ السلام نکلے، یہاں تک کہ مکہ پہنچے۔ جب دور سے مکہ کے پہاڑوں پر نظر پڑی تو اس آیۂ مجیدہ کی تلاوت فرمائی:

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین آئے تو کہا: شاید میرا پروردگار مجھے راہِ راست کی ہدایت فرمائے۔

پھر جب مکہ پہنچے تو فرمایا:

پروردگارا! میرے لئے خیر و برکت قرار دے اور میری راہِ راست کی طرف رہنمائی فرما۔

جب قیس بن مسہر صیداوی کی شہادت کی خبر پہنچی روایت ہے کہ جب قیس بن مسہر صیداوی کی شہادت کی خبر پہنچی تو آپ روئے اور فرمایا:

بارِ الہا! ہمارے اور ہمارے شیعوں کیلئے اپنے نزدیک جگہ مقدر فرما اور ہمیں اور ہمارے شیعوں کو اپنی رحمت کی جگہ پر جمع فرما۔

ایک روایت میں ہے:

بارِ الہا! ہمارے اور ہمارے شیعوں کیلئے جنت کو بہترین مکان قرار دے۔ بے شک تو ہر کام پر قادر ہے۔ (لہوف: ۴۴، مثیر الاحزان: ۴۴، بحار ۴۷ ۳: ۴۴)

کربلا میں داخل ہونے سے پہلے

خداوندا! ہم تیرے پیغمبر حضرت محمد کا خاندان ہیں۔ ہمیں اپنے جد کے حرم سے نکالا گیا ہے اور چھوڑنے پر مجبور کیا گیا۔ بنو اُمیہ نے ہم پر ظلم کیا اور تجاوز کیا۔ بارِ الہا! ہمارا بدلہ، ہمارا انتقام ان سے لے لے اور قومِ ظالمین کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما۔

کربلا میں داخل ہوتے وقت فرمایا: بارِ الہا! میں کرب و بلا سے تجھ سے پناہ کا طلب گار ہوں۔ (لہوف، ص ۳۵)

جب دشمن کے لشکر کی تعداد زیادہ ہوگئی

روایت ہے کہ جب سید الشہداء علیہ السلام کے دشمنوں کی تعداد میں اضافہ ہوا یا اضافہ ہونا شروع ہوا تو امام علیہ السلام کو یقین ہوگیا کہ اب کوئی راہِ نجات نہیں ہے تو فرمایا: پروردگارا! ہمارے اور اس گروہ کے درمیان جنہوں نے ہمیں دعوت دی تاکہ ہماری مدد کریں، لیکن اب ہمارے قتل کے ارادے کر چکے ہیں، تو ہی فیصلہ فرما۔

مروج الذہب ۳، ص ۷۰

شبِ عاشورا کو آنحضرت ؑ کی دعا: بارِ الٰہا! بہت اچھے انداز میں حمد و ثناءِ الٰہی کرنے والا ہوں اور مشکل اور آسانی میں تیرا ثنا گو ہوں۔ بارِ الٰہا! تیری حمد و ثنا کرتا ہوں کہ تونے نبوت سے ہمیں عزت بخشی اور ہمیں قرآن کی تعلیم دی۔ ہمیں دین میں فصاحت نصیب فرمائی اور ہمارے لئے کان، آنکھیں اور دل بنایا۔ پس ہمیں توفیق عطا فرما کہ تیری نعمتوں پر شکر گزار ہوں۔ (اعلام الوری: ۲۳۸)

عاشورا کے دن آپ کی دعا:

امامِ سجاد علیہ السلام سے روایت ہے جو فرما رہے تھے کہ جب عاشورا کے دن دشمنوں کے لشکر امام حسین علیہ السلام کے قتل کرنے پر جمع ہوگئے تو سید الشہداء علیہ السلام نے اپنے ہاتھ اٹھا کر فرمایا:

"پروردگارا! ہر سختی میں تو ہی میری پناہ ہے اور ہر مصیبت میں میری اُمیدیں تجھ ہی سے وابستہ ہیں۔ ہر آنے والی مشکل گھڑی میں تو ہی میرا موردِ وثوق اور سرمایہ ہے۔ کتنی ایسی سختیاں ہیں جو دلوں کو لرزا دیتی ہیں ۔ تمام کوششیں اور طریقے بے فائدہ ہوجاتے ہیں، جہاں پر دوست بھی ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔ جب دشمن جری ہو کر کھلی دشمنی پر اتر آتے ہیں۔ میں ایسے کاموں کو تیرے حضور میں پیش کرتا ہوں اور تیری بارگاہ میں ہی شکایت کرتا ہوں کیونکہ میری اُمیدیں تجھ ہی سے وابستہ ہیں۔ پس تو نے ہی میرے کاموں کے انجام پانے کیلئے کوئی راہ مقرر فرمائی اور میری مشکلات کو حل فرمایا؛ پس تو ہی ہر نعمت کے دینے والا اور ہر ایک اچھائی اور نیکی کا مالک ہے۔ ہر ایک کیلئے تو ہی آخری اُمید ہے۔

بحار ۴:۴۵، مستدرک الوسائل ۱۱، ص ۱۱۲

عاشور کے دن اپنے لشکر کی صف بندی کرنے سے پہلے دعا :

روایت ہے کہ جب عمر بن سعد نے اپنے لشکر کو امام حسین علیہ السلام کے ساتھ جنگ کرنے کیلئے آمادہ کرلیا اور اس کی صف بندی کرلی تو امام حسین علیہ السلام ان کی طرف آئے اور تھوڑی دیر کیلئے خاموشی اختیار کرنے کو کہا لیکن انہوں نے خاموشی اختیار نہ کی۔ سید الشہداء علیہ السلام نے اسی دوران میں اپنی گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

"پروردگارا! ان پر بارانِ رحمت کا نزول نہ فرما۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ کی طرح قحط نازل فرما۔ ثقفی خاندان کے جوان کو ان پر مسلط فرما تاکہ وہ ان پر بہت زیادہ سختی روا رکھے اور ان میں سے کوئی بھی نہ بچ سکے۔ مگر وہ لوگ جنہیں کسی صورت میں قتل کرنا ہے یا موردِ ضرب و شتم واقع ہونا ہے۔ میرا، میرے دوستوں اور عزیز و اقارب اور مددگاروں کا انتقام ان سے لے۔ بے شک اس جماعت نے ہمیں دھوکہ دیا ہے ، ہمیں جھٹلایا ہے اور ذلیل و خوار کرنے کی کوشش کی ہے۔ تو ہی ہمارا پروردگار ہے۔ تجھ ہی پر توکل

کرتے ہیں اور تیری ہی بارگاہ میں آہ و بکا کرتے ہیں۔ ہم سب کی بازگشت تیری ہی طرف ہے۔(بحار ۴۵،ص ۱۰)

عاشورا کے دن آپ کی دعا

پروردگارا! مجھے اپنے حق سے محروم کیا ہے، پس اس کو مجھے عطا فرما۔ بارِ الٰہا! تحقیق میں نے ان کو غضبناک کیا ہے، انہوں نے مجھے غضبناک کیا ہے۔ میں نے انہیں پریشان کیا ہے، انہوں نے مجھے رنجیدہ کیا ہے۔ انہوں نے مجھے ایسا رویہ اور اخلاق اپنانے پر مجبور کیا ہے جو میرے شایانِ شان نہیں ہے۔ پروردگارا! میرے لئے ان سے بہتر گروہ اور جماعت کو مقدر فرما۔ میرے علاوہ کوئی بہت بُرا انسان ان پر مسلط فرما۔ پروردگار! جس طرح نمک پانی میں گھل جاتا ہے، ان کے دلوں میں ایسے ہی ایمان گھول دے۔(مستدرک ۴،ص ۳۹۲)

حضرت علی اکبر علیہ السلام کو جنگ کیلئے روانہ کرتے وقت دعا:

روایت ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام نے اپنے فرزند حضرت علی اکبر علیہ السلام کو قومِ اشقیاء کے مقابل روانہ کیا تو امام علیہ السلام سر جھکائے گریہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

پروردگارا! تو ان پر گواہ رہنا، اب ایسے جوان کو ان کی جانب روانہ کر رہا ہوں جو لوگوں میں سے سب سے زیادہ تیرے رسول کے مشابہ ہے۔(مقاتل الطالبین ۸۵)

حضرت علی اکبر کی شہادت کے بعد آپ کی دعا:

پروردگارا! زمینی برکتوں کو ان سے روک لے اور ان کے اتحاد کو پارہ پارہ فرما۔ ان کی صفوں کو پراگندہ فرما۔ ان کیلئے مختلف راہیں قرار دے۔ حکمرانوں کو ان سے راضی نہ فرما۔ انہوں نے ہمیں دعوت دی تا کہ ہماری مدد کریں لیکن وہ ہم پر حملہ آور ہوئے اور ہمارے قتل کے درپے ہوئے۔(بحار ۴۵:۴۲)

حضرت علی اکبر کی شہادت کے بعد آپ کی دعا

اے اللہ! اس قوم کو قتل کر جس نے تجھے قتل کیا ہے۔(لہوف:۴۹)

حضرت علی اصغر کی شہادت کے بعد آنحضرت کی دعا

پروردگار! اگر آسمان سے ہماری مدد کو روک رکھا ہے تو اس چیز کو ہمارے لئے اُس سے بہتر قرار دے اور اس قومِ ستم گار سے انتقام لے۔(اعلام الوری:۲۴۷)

حضرت کے بعد آنحضرت کی دعا

روایت ہے کہ امام حسین علیہ السلام خیموں کی طرف متوجہ ہوئے تو دیکھا کہ معصوم پیاس کی شدت سے گریہ کناں ہے۔ اس کو اپنے ہاتھوں پر لیا اور فرمایا:"اے قوم! اگر مجھ پر رحم نہیں کرتے تو کم از کم اس بچے پر رحم کرو"۔ اتنے میں لشکر میں سے ایک آدمی نے ایسا ظلم کا تیر پھینکا کہ حضرت علی اصغر ذبح ہو گئے۔ امام حسین علیہ السلام دیکھ کر روئے اور فرمایا:

پروردگارا! میرے اور اس قومِ اشقیاء کے درمیان فیصلہ فرما جنہوں نے ہمیں دعوت دی کہ ہماری مدد کریں لیکن ہمارے قتل کے درپے ہیں۔

اتنے میں ہاتف غیبی سے آواز آئی:"اے حسین! اس کو چھوڑ دیجئے کیونکہ جنت میں اس کو دودھ پلانے والی موجود ہے۔

(تذکرۃ الخواص،ص ۲۵۲)

حضرت علی اصغر کی شہادت کے بعد آنحضرت کی دعا

روایت ہے کہ جب تیر حضرت علی اصغر کے گلے میں پیوست ہوا تو امام علیہ السلام روئے اور اپنے دونوں ہاتھ جنابِ علی اصغر کے گلے کے نیچے رکھ دیئے اور فرمایا:

"اے نفس! صبر سے کام لو اور وارد شدہ مصائب کو خدا کا امتحان شمار کرو"۔ بارِ الہا! حالِ حاضر میں جو کچھ ہم پر مصائب آئے، تو خود شاہد ہے۔ پس ان کو قیامت کے دن کیلئے ہمارا توشہ اور مدد گار قرار دینا۔ (معالی السبطین ۱:۴۲۳)

شہزادہ قاسم بن حسن مجتبیٰ علیہم السلام کی شہادت کے بعد دعا

پروردگارا! تو جانتا ہے کہ ان لوگوں نے ہمیں دعوت دی تاکہ ہماری مدد حاصل کریں لیکن ہمیں ذلیل وخوار کرکے ہمارے دشمنوں کے مددگار بنے بیٹھے ہیں۔ خداوندا! بارانِ رحمت کے نزول سے انہیں محروم فرما اور بارش کی رحمتوں سے محروم فرما۔ ہر گز ان سے راضی نہ ہونا۔

بارِ الہا! اگر دنیا میں ہماری مدد کرنے سے گریز کیا ہے تو اس کو ہماری آخرت کیلئے ذخیرہ قرار دے اور اس گروہِ ستم گار سے ہمارا بدلہ اور انتقام لے۔ (ینابیع المودۃ، ص ۳۴۵)

شہزادہ قاسم بن حسن مجتبیٰ علیہم السلام کی شہادت کے بعد دعا

خداوندا! ان تمام کو نابود فرما۔ ان کو منتشر اور پراگندہ فرما اور انہیں قتل فرما۔ ان میں کوئی بھی زندہ نہ رہے اور ان سے ہر گز در گزر نہ فرما۔ (بحار ۴۵:۳۶)

عبداللہ بن حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی شہادت کے بعد دعا

پروردگارا! اگر انہیں ایک عرصہ تک زندہ رکھنا ہے تو انہیں پراگندہ فرما اور ان کو مختلف گروہوں میں تقسیم فرما۔ ہر گز ان سے راضی نہ ہونا۔

ایک اور روایت میں یوں ہے:

بارِ الہا! بارانِ رحمت سے انہیں محروم فرما۔ ان سے زمین کی برکتیں روک دے۔ پروردگارا! اگر انہیں کچھ عرصہ تک زندہ رکھنا ہے تو ان کی صفوں کو اتحاد کی دولت سے محروم فرما۔ انہیں مختلف گروہوں میں تقسیم فرما۔ کبھی بھی ان کے رہبروں کو ان سے راضی نہ فرما۔ انہوں نے ہمیں دعوت دی تاکہ ہماری مدد کریں لیکن ہم پر حملہ آور بن کر ہمیں قتل کرنا چاہتے ہیں۔ (اعلام الوری:۲۴۹، بحار ۴۵:۵۳)

آنحضرت کی پیشانی پر تیر لگنے کے بعد دعا

روایت ہے کہ جب تیر امام حسین علیہ السلام کی پیشانی میں پیوست ہوا تو اس کو نکالتے ہوئے چونکہ خون پورے چہرے اور داڑھی پر جاری ہو گیا تو فرمانے لگے:

خداوندا! جو کچھ میں اس گناہ گار گروہ سے مصائب اٹھا رہا ہوں، تحقیق تو دیکھ رہا ہے۔ خداوندا! انہیں تباہ وبرباد فرما اور پراگندہ صورت میں قتل فرما۔ روئے زمین پر ان میں سے کوئی بھی زندہ نہ رہے۔ انہیں ہر گز معاف نہ فرما۔ (بحار ۴۵:۵۲)

امام کی دعا اُس وقت جب آپ کی طرف تیر اندازی کی گئی

روایت ہے کہ جب پیاس کی شدت میں اضافہ ہوا تو گھوڑے پر سوار ہوئے تاکہ دریائے فرات سے شریعہ پر پہنچیں۔ حضرت عباس علیہ السلام ان کے سامنے اور ان سے آگے آگے تھے۔ عمر سعد کی فوجوں

نے ان کا راستہ روکا۔ اتنے میں قبیلہ بنی دارم میں سے کسی آدمی نے امام حسین علیہ السلام کی طرف تیر چلادیا جو ان کے چہرے کے نچلے حصہ میں پیوست ہو گیا۔ امام علیہ السلام اپنا ہاتھ چہرے کے نیچے لائے، یہاں تک کہ ان کے ہاتھ خون سے بھر گئے۔ سید الشہداء علیہ السلام خون پھینک کر یوں گویا ہوئے:

خداوندا! جو کچھ تیرے نبی کی بیٹی کے فرزند کے ساتھ کر رہے ہیں، تجھ سے شکایت کرتا ہوں۔

ایک اور روایت میں آیا ہے :

جب امام حسین علیہ السلام پر پیاس کی شدت میں اضافہ ہوا تو آپ فرات کے کنارے آئے تا کہ پانی پی سکیں لیکن حصین بن نمیر نے امام علیہ السلام کی طرف تیر پھینکا جو دہن اقدس میں پیوست ہو گیا۔ لہٰذا سید الشہداء علیہ السلام کے منہ سے خون جاری ہو گیا۔ خون کو اپنے ہاتھ میں لیا اور آسمان کی طرف بلند کر دیا۔ پھر حمد و ثنائے باری تعالٰی کی اور فرمایا:

"خداوندا! جو کچھ تیرے نبی کی بیٹی کے فرزند کے ساتھ کر رہے ہیں، تجھ سے شکایت کرتا ہوں۔ خداوندا! ایک دم ان کو نابود فرما اور انہیں پراگندہ صورت میں قتل فرما۔ ان میں سے کسی کو بھی باقی نہ رکھ۔(لہوف:۵۱، بحار ۴۵:۵۰)

چہرے اور منہ پر تیر لگنے کے بعد آنحضرت کی دعا

مسلم بن ریاح سے نقل ہے جو علی ابن ابی طالب علیہما السلام کے موالیوں میں سے تھے، کہتے ہیں کہ روزِ عاشور میں مَیں امام علیہ السلام کی خدمت میں تھا۔ ایک تیر ان کے چہرے پر آ کر لگا تو امام علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: "اے مسلم! اپنا ہاتھ میرے نزدیک کرو"۔ ہاتھ خون سے بھرا ہوا تھا۔ پھر کہتے ہیں کہ جیسے ہی وہ خون میرے ہاتھ پر ڈالنے لگے، انہوں نے خون کو آسمان کی طرف بلند کر دیا اور فرمایا:

خداوندا! اپنے نبی کی بیٹی کے فرزند کے خون کا مطالبہ کر۔ مسلم کہتے ہیں کہ اس خون میں سے ایک قطرہ بھی زمین پر واپس نہ آیا۔

گھوڑے سے دائیں سمت گرنے کے بعد آپ نے فرمایا: خدا کے نام ،اس کی یاد میں اور پیغمبر اسلام کی راہ میں۔(لہوف:۵۴)

عاشورا کے آخری لحات میں آپ کی دعا

پروردگارا! تیری جگہ بلند، تو عظیم الشان قدرت والا، سخت قہر و غضب والا، مخلوقات سے بے نیاز، وسیع قدرت والا، جس پر چاہتا ہے قدرت رکھتا ہے۔ بہت نزدیک رحمت والا، سچے وعدے والا، زیادہ نعمتوں والا اور اچھی آزمائش والا ہے۔

جب پکارا جائے تو تو بہت نزدیک ہے۔ اپنی مخلوقات پر محیط ہے۔ جو تیری طرف آئے، تو اس کی توبہ قبول کرتا ہے۔ اپنے ارادے پر قادر ہے۔ جسے چاہے پالیتا ہے۔ جب تیرا شکر ادا کیا جائے تو شکر قبول کرتا ہے اور جب تجھے یاد کیا جائے تو یاد آتا ہے۔

تیری طرف نیاز مند ہو کر تجھے پکار رہا ہوں۔ ایک فقیر اور خالی ہاتھ تیری طرف آیا ہوں۔ خوف اور ڈر سے تیری بارگاہ میں آیا ہوں۔ دکھوں سے تیرے حضور میں گریہ کناں ہوں۔ ضعیف ناتوانی کی صورت میں تجھ سے مدد کا طلبگار ہوں۔ تجھے اپنے لئے کافی سمجھتے ہوئے توکل کرتا ہوں۔

پروردگارا! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق سے فیصلہ فرما۔ تحقیق انہوں نے ہمیں فریب دیا، دھوکہ دے کر ہمیں قتل کر رہے ہیں جبکہ ہم تیرے نبی کی بیٹی کی اولاد ہیں کہ جنہیں رسالت جیسے عظیم منصب کیلئے منتخب فرمایا ہے۔

انہیں اپنی وحی پر امین قرار دیا ہے۔ پروردگارا! ہمارے لئے کوئی راہ نکال دے، اے بہترین رحمت کرنے والے۔(اقبال الاعمال:۶۹۰، بحار ۴۴:۱۰۱)

شہادت سے کچھ دیر قبل آپ کی دعا

روایت ہے کہ امام حسین علیہ السلام شہادت سے پہلے تھوڑی دیر تک زمین پر خون میں لت پت پڑے رہے۔ منہ آسمان کی طرف تھا اور فرما رہے تھے :

خداوندا! قضاو قدر پر صبر کرتا ہوں۔ تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ اے فریاد گروں کی فریاد رسی کرنے والے!۔(ینابیع المودۃ:ص۳۴۸)

کربلا میں بنی ہاشم کے چند جلیل القدر شہداء کا مختصر تذکرہ

گروہ تحریر و تحقیق

امام علی ابن ابی طالب کی اولاد:

تاجدار انسانیت سید الشہداء جناب امام حسین علیہ السلام کی شہادت

جب آپ علیہ السلام کا کوئی معین اور مددگار باقی نہ رہا تو آپ خود میدان کارزار میں آئے آپ علیہ السلام کے جسم مبارک پر 1951 زخم آئے اور آپ زمین پر اس طرح تشریف لائے کے آپ علیہ السلام نہ تو زین پر تھے اور نہ زمین پر۔ نماز عصر کا وقت آچکا تھا آپ سجدہ خالق میں گئے تو شمر ملعون نے کند خنجر سے آپ کا سر مبارک جدا کر دیا۔ یہ واقعہ یہ عظیم قربانیاں 10 محرم سن 61 ہجری بمطابق 10 اکتوبر 680 عیسوی بروز جمعہ اس دنیا میں وقوع ہوا۔ اور دین اسلام کی لازوال تاریخ رقم کر گیا۔ آپ کے تفصیلی حالات دوسرے مقالات میں درج ہو چکے ہیں۔

حضرت ابو الفضل العباس علیہ السلام

باب الحوائج، قمرِ بنی ھاشم، شہنشاہِ وفا، علمدار، غازی، سقائے اہل بیت، حضرت عباس علیہ السلام امام علی علیہ السلام کے بیٹے تھے۔ آپ کی والدہ کا نام ام البنین تھا جن کا تعلق عرب کے ایک بہادر قبیلے سے تھا۔ حضرت عباس اپنی بہادری اور شیر دلی کی وجہ سے بہت مشہور ہوئے۔ اپنے بھائی امام حسین علیہ السلام کے ساتھ ان کی وفاداری واقعہ کربلا کے بعد ایک ضرب المثل بن گئی۔ وہ شہنشاہِ وفا کے طور پر مشہور ہیں۔

ولادت باسعادت

حضرت عباس علیہ السلام چار شعبان المعظم 26ھ کو پیدا ہوئے۔ انھوں نے اس وقت تک آنکھ نہیں کھولی جب تک ان کے بھائی امام حسین علیہ السلام نے انھیں اپنے ہاتھوں میں نہیں لیا۔ بچپن ہی سے انھیں امام حسین علیہ السلام کے ساتھ بہت محبت تھی۔ حضرت علی علیہ السلام نے اس عظیم الشان بچے کا نام عباس رکھا۔ روایت ہے کہ حضرت عباس علیہ السلام کی پیدائش کا مقصد ہی امام حسین علیہ السلام کی مدد اور نصرت تھا اور اھلِ بیت علیہم السلام کو شروع سے واقعہ کربلا اور اس میں حضرت عباس علیہ السلام کے کردار کا علم تھا حضرت علی ابن ابی طالب (ع) نے اپنے بھائی عقیل ابن ابی طالب کے مشورے سے جو انساب کے ماہر تھے ایک متقی اور بہادر قبیلے کی خاتون فاطمۂ کلابیہ سے عقد کیا اور اپنے پروردگار سے دعا کی کہ پروردگار! مجھے ایک ایسا بیٹا عطا کرے جو اسلام کی بقاء کے لئے کربلا کے خونیں معرکہ میں امام حسین (ع) کی نصرت و مدد کرے چنانچہ اللہ نے فاطمۂ کلابیہ کے بطن سے کہ جنہیں حضرت علی علیہ السلام نے ام البنین کا خطاب عطا کیا تھا، چار بیٹے امام علی کو عطا کر دئے اور ان

سب کی شجاعت و دلیری زباں زد خاص و عام تھی اور سبھی نے میدان کربلا میں نصرت اسلام کا حق ادا کیا اور شہید ہوئے لیکن عباس (ع) ان سب میں ممتاز اور نمایاں تھے کیونکہ خود حضرت علی علیہ السلام نے ان کی ایک خاص نہج پر پرورش کی تھی۔

ابتدائی زندگی

حضرت علی علیہ السلام نے ان کی تربیت و پرورش کی تھی۔ حضرت علی علیہ السلام سے انھوں نے فن سپہ گری، جنگی علوم، معنوی کمالات، مروجہ اسلامی علوم و معارف خصوصاً علم فقہ حاصل کئے۔ 14 سال کی معمولی عمر تک وہ ثانی حیدر کہلانے لگے۔ حضرت عباس علیہ السلام بچوں کی سرپرستی، کمزوروں اور لاچاروں کی خبر گیری، تلوار بازی اور و مناجات و عبادت سے خاص شغف رکھتے تھے۔ ان کی تعلیم و تربیت خصوصاً کربلا کے لئے ہوئی تھی۔ لوگوں کی خبر گیری اور فلاح و بہبود کے لئے خاص طور پر مشہور تھے۔ اسی وجہ سے آپ کو باب الحوائج کا لقب حاصل ہوا۔ حضرت عباس کی نمایان ترین خصوصیت "ایثار و وفاداری" ہے جو ان کے روحانی کمال کی بہترین دلیل ہے۔ وہ اپنے بھائی امام حسین علیہ السلام کے عاشق و گرویدہ تھے اور سخت ترین حالات میں بھی ان کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ لفظ وفا ان کے نام کے ساتھ وابستہ ہو گیا ہے اور اسی لئے ان کا ایک لقب شہنشاہِ وفا ہے۔

جنگ صفین حضرت علی علیہ السلام اور شام کے گورنر کے درمیان مئی۔جولائی 657ء میں ہوئی۔ اس جنگ میں حضرت عباس علیہ السلام نے حضرت علی علیہ السلام کا لباس پہنا اور بالکل اپنے والد علی علیہ السلام کے طرح زبردست جنگ کی حتیٰ کہ لوگوں نے ان کو علی ہی سمجھا۔ جب علی علیہ السلام بھی میدان میں داخل ہوئے تو لوگ ششدر رہ گئے۔ اس موقع پر علی علیہ السلام نے اپنے بیٹے عباس کا تعارف کرواتے ہوئے کہا کہ یہ عباس ھیں اور یہ بنو ھاشم کے چاند ھیں۔ اسی وجہ سے حضرت عباس علیہ السلام کو قمرِ بنی ھاشم کہا جاتا ھے۔

واقعہ کربلا اور حضرت عباس علیہ السلام

واقعہ کربلا کے وقت حضرت عباس علیہ السلام کی عمر تقریباً 33 سال کی تھی۔ امام حسین علیہ السلام نے آپ کو لشکر حق کا علمبردار قرار دیا۔ امام حسین علیہ السلام کے ساتھیوں کی تعداد 72 یا زیادہ سے زیادہ سو افراد پر مشتمل تھی اور لشکر یزیدی کی تعداد تیس ہزار سے زیادہ تھی مگر حضرت عباس علیہ السلام کی ہیبت و دہشت لشکر ابن زیاد پر چھائی ہوئی تھی۔ کربلا میں کئی ایسے مواقع آئے جب عباس علیہ السلام جنگ کا رخ بدل سکتے تھے لیکن امام وقت نے انھیں لڑنے کی اجازت نہیں دی کیونکہ اس جنگ کا مقصد دنیاوی لحاظ سے جیتنا نہیں تھا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام حضرت ابوالفضل العباس کی عظمت و جلالت کا ذکر کرتے ہوئے کہا کرتے تھے: "چچا عباس کامل بصیرت کے حامل تھے وہ بڑے ہی مدبر و دور اندیش تھے انہوں نے حق کی راہ میں بھائی کا ساتھ دیا اور جہاد میں مشغول رہے یہاں تک کہ درجۂ شہادت پر فائز ہو گئے آپ نے بڑا ہی کامیاب امتحان دیا اور بہترین عنوان سے اپنا حق ادا کر گئے"۔

شہادت

10 محرم کو امام حسین علیہ السلام نے ان کو پیاسے بچوں خصوصاً اپنی چار سالہ بیٹی سکینہ بنت الحسین کے لئے پانی لانے کا حکم

دیا مگر ان کو صرف نیزہ اور علم ساتھ رکھنے کا حکم دیا۔ اس کوشش میں انھوں نے اپنے دونوں ھاتھ کٹوا دیئے اور شہادت پائی۔ اس دوران ان کو پانی پینے کا بھی موقع ملا مگر تین دن کے بھوکے پیاسے شیر نے گوارا نہیں کیا کہ وہ تو پانی پی لیں اور خاندانِ رسالت پیاسا رہے۔ شہادت کے بعد جیسے باقی شہداء کے ساتھ سلوک ھوا ویسے ہی حضرت ابوالفضل العباس کے ساتھ ہوا۔ ان کا سر کاٹ کر نیزہ پر لگایا گیا اور جسمِ مبارک کو گھوڑوں کے سموں سے پامال کیا گیا۔ ان کا روضہ اقدس عراق کے شہر کربلا میں ہے جہاں پہلے ان کا جسم دفن کیا گیا اور بعد میں شام سے واپس لا کر ان کا سر دفنایا گیا۔ دریائے فرات جو ان کے روضے سے کچھ فاصلے پر تھا اب ان کی قبر مبارک کے ارد گرد چکر لگاتا ہے۔

ضو وہ شیشے میں کہاں جو الماس میں ہے سارے عالم کی وفا حضرت عباس میں ہے

عبداللہ بن علی ابن ابی طالب

آپ علمدار کربلا کے حقیقی بھائی اور فرزند جناب ام البنین اور امیر المومنین علیہ السلام تھے۔ کربلا میں ہانی بن ثبیث حضرمی کے ہاتھوں شہید ہوئے

عثمان بن علی ابن ابی طالب

آپ بھی علمدار کربلا کے بھائی تھے آپ کی عمر 23 برس تھی اور میدان کربلا میں خولی شقی کے تیر سے گھائل ہو کر زخمی ہوئے اور قبیلہ ابان بن وارم کے ایک شخص کی تلوار سے شہید ہوئے۔

جعفر بن علی ابن ابی طالب

آپ کی عمر 21 برس اور میدان کربلا میں ہانی ابن ثبیث کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

عمر بن علی ابن ابی طالبؑ

آپ امیر المومنین علی علیہ السلام کے بیٹے ہیں آپ کی والدہ گرامی ام حبیب بن ربیعہ ہیں۔ بعض نے آپ کی والدہ کا نام صہبا ذکر کیا ہے کہ جو وہی ام حبیب بنت عباد ربیعہ، یمامہ یا عین التمر کے اسیروں میں سے تھیں جنہیں امیر المومنین نے اپنے مال سے خریدا تھا۔ بعض نے نیز بیان کیا ہے کہ آپ کی والدہ کا نام لیلی ہے۔

عمر بن علی علیہ السلام کا لقب اطرف ہے اور کنیت ابو القاسم ہے اور بعض نے ابو حفص ذکر کیا ہے۔ آپ فصیح اور بلیغ زبان کے مالک تھے اور اہل سخاوت اور پاکدامن تھے۔ کہتے ہیں: ایک دن آپ قحط سالی کے دور میں قبیلہ بنی عدی کے پاس سے گزر رہے تھے اس قبیلہ کے بزرگ آپ کے پاس آئے اور آپ سے گفتگو کی۔

اسی ہنگام ایک مناسب لباس پہنے ہوئے ایک شخص سامنے سے گزرا۔ عمر نے پوچھا یہ مرد کون ہے؟ کہا: سالم بن رقیہ ہے اور بنی ہاشم کے ساتھ اچھا سلوک نہیں رکھتا۔ عمر نے اسے بلایا اور اس سے اس کے بھائی سلیمان بن رقیہ کے بارے میں پوچھا۔ اس کے بعد آپ کے اچھے اخلاق اور واضح استدلالات سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس کا بنی ہاشم کی نسبت عقیدہ متغیر ہو گیا۔

عمر بن علی علیہ السلام نے وہاں سے رخصتی کے وقت اپنا تمام زاد سفر اس قبیلہ والوں کے درمیان تقسیم کر دیا اور ان کے جانے کے چوبیس گھنٹے بعد اس سرزمین پر باران رحمت نازل ہوئی۔ اہل قبیلہ نے ان کی تشریف آوری کا شکریہ ادا کیا اور کہا: اس آدمی کا آنا اور جانا سب سے زیادہ مبارک رہا ہے۔

آپ جب تک زندہ رہے سالم کو اپنے ہدایا تقدیم کرتے رہے آپ کے دنیا سے جانے کے بعد سالم نے آپ کی شان میں قصیدہ پڑھا جس کا مضمون یہ ہے: "خدا کا سلام اس قبر پر جو اولاد امیر المومنین [ع] میں سے ہے [وہ علی] جو بعد پیغمبر بہترین جانشین تھے۔

آپ سب سے زیادہ سخی اور عالم ہیں آپ کا ہمارے قبیلہ میں آنا اور واپس جانا دونوں مبارک تھا۔"

آیا آپ کربلا میں موجود تھے اور امام حسین علیہ السلام کے ہمراہ شہید ہوئے؟ اس سلسلے میں اختلاف ہے بعض نے کہا ہے وہ امام حسین علیہ السلام کے ساتھ نہیں آئے اور مدینہ ہی رہے یہاں تک کہ ۷۵ یا ۷۷ سال کی عمر میں مقام "ینبع" وفات پا گئے۔ کتاب نفس المہموم کے مولف نے اس قول کو مشہور مورخین کی طرف نسبت دی ہے۔

کتاب ذخیرۃ الدارین کے مولف کہتے ہیں: شیعہ اور سنی مقتل نگاروں نے لکھا ہے کہ عمر بن علی اپنی ماں اور بہن رقیہ اور بھانجے عبد اللہ محمد اور عاتکہ کے ساتھ امام حسین علیہ السلام کے ہمراہ مدینہ سے کربلا آئے۔

خوارزمی لکھتے ہیں کہ آپ اپنے بھائی ابو بکر بن علی کی شہادت کے بعد میدان میں گئے اور یہ رجز پڑھی؛

اضْرِبُكُمْ وَلا ارى فيكُمْ زَحَرَ ذاكَ الشَّقىُّ بِالنَّبىِّ قَدْ كَفَرَ

يا زَحْرُ يا زَحْرُ تَدانِ مِنْ عُمَرَ لَعَلَّكَ الْيَوْمَ تَبُوءُ بِسَقَرَ

شرَّ مَكانٍ فى حَرِيقٍ وسَعَر فَانَّكَ الْجاهِدُ يا شَرَّ بَشَر

میں تلوار چلا رہا ہوں اور زحر [ابو بکر بن علی کا قاتل] کو تمہارے درمیان نہیں دیکھ رہا ہوں وہی کم بخت جس نے پیغمبر خدا کا انکار کیا۔

اے زحر اے زحر عمر کے نزدیک ہو جا تاکہ آج میں تمہیں جہنم میں بھیج دوں۔ وہی جگہ جو جلنے کی بدترین جگہ ہے تو اے بدترین انسان، انکار کرنے والوں میں سے ہے۔

عمر نے اپنے بھائی کے قاتل کو قتل کرنے کے بعد دوبارہ حملہ کیا اور یہ رجز پڑھی:

خَلُّوا عُداةَ اللَّهِ خَلُّوا عَنْ عُمَرَ خَلُّوا عَنِ اللَّيْثِ الْعَبُوسِ الْمُكْفَهِر

يَضْرِبُكُمْ بِسَيْفِهِ وَلا يَفِرُّ وَلَيْسَ يَغْدُوا كَالْجَبانِ الْمُنْجَحِر

اے دشمنان خدا، چھوڑ دو عمر کا راستہ مت روکو بپھرے ہوئے شیر کے آگے مت آو۔ وہ تلوار سے تمہیں مارے گا اور فرار نہیں کرے گا اور ڈرپوک لوگوں کی طرح پہاڑوں میں سوراخ تلاش نہیں کرے گا۔

انہوں نے جنگ جاری رکھی یہاں تک کہ شہید ہو گئے بعض نے لکھا ہے: پہلے دشمنوں نے آپ کے گھوڑے کی ٹانگیں کاٹ دیں اس کے بعد آپ کو شہید کر دیا۔ صاحب روضۃ الشہداء نے روز عاشور ان کی شہادت کو مشہور علماء کی طرف نسبت دی ہے۔

بعض دوسرے مقاتل نویسوں جیسے ابن شہر آشوب، سید محمد بن ابو طالب موسوی نے روز عاشور آپ کی شہادت کا ذکر کیا ہے۔ کتاب ناسخ التواریخ کے مولف کہتے ہیں کہ امیر المومنین علیہ السلام کے اٹھارہ بیٹے تھے جن میں سے دو کا نام عمر تھا۔ ایک عمر الاکبر اور دوسرا

عمر الاصغر۔ عمر الاصغر کی والدہ ام حبیب تھی۔ اور عمر الاکبر کی والدہ صھبا تھی۔ آپ کی کنیت ابو القاسم یا ابو حفض ہے آپ کربلا میں شہید نہیں ہوئے۔

ان [صاحب کتاب ناسخ] کی باتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ عمر بن علی جو کربلا میں شہید ہوئے ہیں وہ عمر الاصغر ہیں انہوں نے دوسروں کے اقوال سے یہ نقل کیا ہے کہ عمر بن علی شب عاشورہ کو کربلا چھوڑ کر جوالیق چلے گئے اسی وجہ سے ان کی اولاد کو اولاد جوالیق کہا جاتا ہے۔ لیکن موصوف خود اس بات کو مستدل نہ سمجھتے ہوئے کہتے ہیں کہ تمام مورخین نے متفق طور پر ذکر کیا ہے کہ عمر بن علی کربلا میں موجود تھے اور

روز عاشور میدان میں گئے اور جہاد کیا۔ موصوف آخر کار کہتے ہیں: یہ احتمال پایا جاتا ہے کہ عمر بن علی بھی حسن مثنی کی طرح زخمیوں کے درمیان پڑے رہے ہوں اور اس کے بعد کربلا سے زندہ واپس آ گئے ہوں۔

کربلا میں حضرت زینب سلام اللہ علیہا کے بیٹے

عون [الاکبر] بن عبد اللہ بن جعفر علیہ السلام

آپ امام حسین علیہ السلام کے اصحاب اور شہداء کربلا میں سے ہیں۔ آپ کے والد عبد اللہ بن جعفر ہیں جو اصحاب رسول خدا [ص] میں سے تھے۔ آپ کی والدہ گرامی حضرت زینب کبری سلام اللہ علیہا ہیں۔ بعض انساب نگاروں نے جناب عبد اللہ کے دو بیٹے عون الاصغر اور عون الاکبر ذکر کئے ہیں۔ جناب عون الاکبر کی مادر گرامی حضرت زینب سلام اللہ علیہا اور عون الاصغر کی والدہ جمانہ بنت مسیب بن نجبہ ہیں۔ یہ کہ کربلا میں ان میں سے کون شہید ہوا اس سلسلے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ عون الاصغر کربلا میں شہید ہوئے ہیں اور عون الاکبر اپنے والد کی حیات میں دنیا سے چلے گئے۔ لیکن بعض نے لکھا ہے کہ عون الاکبر کربلا میں شہید ہوئے ہیں۔

عون عاشور کے دن اپنے بھائی محمد کی شہادت کے بعد میدان کارزار کی طرف روانہ ہوئے اور جنگ کے وقت یہ رجز پڑھی:

انْ تَنْکرونی فانا بنُ جعفر شهید صدقٍ فی الجنان ازْهَر
یَطیرُ فیها بجناحٍ اخْضَر کفی بهذا شرفاً فی المحشر

اگر مجھے نہیں پہچانتے تو میں جعفر کا بیٹا ہوں جو صداقت کی بنا پر شہید ہوئے اور جنت میں سبز پروں کے ذریعے پرواز کر رہے ہیں۔ قیامت میں میرے لیے یہی شرف کافی ہے۔

انہوں نے میدان جنگ میں تین سواروں اور اٹھارہ پاپیادہ فوجیوں کو ہلاک کیا۔ اور آخر کار عبد اللہ بن قطنہ طائی کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔

بعض نے لکھا ہے کہ جب عون نے اپنے بھائی کو قتل ہوتے دیکھا تو بے اختیار میدان میں دوڑ گئے اور اپنے بھائی کے قاتل پر ایک ضربت مار کر اس کا کام تمام کر دیا اس کے بعد امام کی خدمت میں آئے اور جنگ کی اجازت حاصل کی۔ بعض منابع میں آیا ہے کہ عون بن عبد اللہ، عبد اللہ بن مسلم کی شہادت کے بعد میدان میں گئے اور یہ رجز پڑھی:

اقسَمْتُ لا ادْخُلُ الَّا الجَنَّةِ مُصدِّقاً باحْمَدَ والسُّنَّة
والْبَعْثُ مِنْ بَعْدِ انْقِطاعِ الدَّنَة هُوَ الّذی انْقَذنا بِمِنَّه
منْ حَیْرَةِ الْکُفْرِ وَ سُوءِ الظَّنَّةِ صلَّی عَلَیْهِ اللَّه باری الْجَنَّةِ

میں قسم کھاتا ہوں کہ میں صرف جنت میں داخل ہوں گا۔ میں احمد مصطفی[صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم]اور ان کی سنت کی تصدیق کرنے والا ہوں۔ اور قیامت، دنیا کے ختم ہونے کے بعد ہے۔ وہ[پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم] وہ ذات گرامی ہیں جنھوں نے اپنے احسان کے ذریعے ہمیں کفر اور بدگمانیوں سے نجات دلائی۔ خدا کا سلام و درود ہو ان پر۔

زیارت ناحیہ میں عون بن عبداللہ کے بارے میں یوں پڑھتے ہیں:
السَّلامُ عَلی عَوْنِ بْنِ عَبْدَاللَّهِ بْنِ جَعْفَرِ الطَّیَّارِ فِی الْجَنانِ، حَلیفِ الایمان، ومُنازِلِ الاقران، النَّاصِحِ لِلرَّحمان، التَّالی لِلْمَثانی و القُران...

سلام و درود ہو عون بن عبد اللہ بن جعفر طیار پر جو ایمان کے ساتھ حلف اٹھانے والے، حریفوں کے ساتھ معرکہ آرا ہونے والے، خدائے رحمن کے خیر خواہ، سورہ حمد اور قرآن کی تلاوت کرنے والے ہیں۔۔۔"

بعض نے نقل کیا ہے کہ عون و محمد کی شہادت کی خبر جب جناب عبد اللہ بن جعفر تک پہنچی تو انہوں نے کلمہ استرجاع زبان پر جاری کیا۔ ایک غلام نے کہا: یہ مصیبت حسین علیہ السلام کی وجہ سے ہم پر نازل ہوئی

ہے تو انہوں نے اسے پھٹکارتے ہوئے کہا: اے پسر "لخنا"[بدبو] کیا امام حسین علیہ السلام کے بارے میں ایسا کہتے ہو؟ خدا کی قسم اگر میں بھی موجود ہوتا میں بھی ان کے رکاب میں شہید ہونا پسند کرتا۔

خدا کی قسم میں اپنے بیٹوں کی شہادت پر کوئی افسوس نہیں کرتا اور ان کی شہادت میرے بھائی اور عموزادہ کی رکاب میں میرے لیے تسلی دل کا سبب ہے۔۔۔ اس کے بعد حاضرین کی طرف رخ کیا اور کہا: خدا کی حمد و ثنا کہ جس نے امام حسین علیہ السلام کی شہادت پر مجھے صبر دیا اور اگر میں ان کی نصرت نہ کر سکا تو میرے بیٹوں نے ان کی نصرت کی۔

اسماعیل بن عبد اللہ بن جعفر

آپ اسماعیل بن عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب جن کا لقب زاہد تھا تابعین اور معتبر و موثق راویوں میں سے ہیں اور شیخ طوسی نے آپ کو امام صادق علیہ السلام کے اصحاب میں سے شمار کیا ہے۔ بعض نے آپ کو شہداء کربلا میں سے شمار کیا ہے اور زینب کبریٰ سلام اللہ علیھا کو آپ کی والدہ کہا گیا ہے۔ لیکن معتبر تاریخی منابع میں اس سلسلے میں کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ ابن عنبہ واقعہ کربلا کا ذکر کئے بغیر آپ کو بنی امیہ کا مقتول جانتے ہیں۔

مامقانی نے کتاب تنقیح میں اس بات سے تعجب کا اظہار کیا ہے اور کہا ہے: اسماعیل بن عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن حسن مجتبی کی بیعت سے انکار کرنے کے نتیجے میں اپنے بھائی معاویہ بن عبد اللہ کے بیٹوں کے ہاتھوں ۱۴۵ ہجری قمری میں نوے سال کی عمر میں مارے گئے اور اس واقعہ سے پہلے ہی بنی امیہ کا اقتدار ختم ہونے کی بنا پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انہیں بنی امیہ نے قتل کروایا۔ اس کے بعد کہتے ہیں: میرے گمان کے

مطابق اصل میں لفظ بنی اخیہ تھا جو بنی امیہ کی صورت میں پڑھا گیا ہے جس کی وجہ سے شبہہ پیدا ہوا۔

دوسری طرف سے عبد اللہ بن جعفر اور جناب زینب سلام اللہ علیھا سے صرف دو بیٹے محمد اور عون کربلا میں شہید ہوئے ہیں اور ابو الفرج کے بقول صرف عون ہی جناب زینب کی اولاد میں سے شہید ہوئے ہیں۔

محمد ابن عبد اللہ بن جعفر طیار

آپ جناب عون کے بھائی اور اور 10 دشمنوں کا قتل کرنے کے بعد عامر بن نہشل کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

حضرت مسلم ابن عقیل کی اولاد

عبد اللہ ابن مسلم

آپ حضرم مسلم علیہ السلام کے فرزند اور امام علیہ السلام کے بھانجے اور امیر المومنین علیہ السلام کے نواسے تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ رقیہ بنت علی علیہ السلام اور نانی کا نام صہبا بنت عباد۔ آپ کی والدہ قبیلہ بنی ثعلبتہ کی فرد اور کنیت ام حبیبۃ تھی۔ آپ آٹھارہ بنی ہاشم کے سب سے پہلے شہید ہیں اپ نے 90 دشمنوں کو واصل نار کیا اور دوران جنگ عمر ابن صبیح صیدادی نے آپ کی پیشانی پر تیر مارا جس کو روکتے ہوئے وہ آپ کا ہاتھ پیشانی میں پیوست ہو گیا۔ اس نے دوسرا تیر آپ سے سینے پر ماری جس سے آپ نے شہادت پائی ۔

محمد ابن مسلم

آپ بھائی کو زخمی دیکھ کر امام علیہ السلام سے ازن شہادت لے لر میدان میں گئے اور گمسان کی جنگ کی آپ کا ابو جرہم ازدی اور لقیط ابن ایاش جہنی نے شہید کیا۔

حضرت عقیل ابن ابی طالبؑ کی اولاد

جعفر ابن عقیل

آپ عقیل ابن ابی طالب کے فرزند اور آپ کی والدہ "حوصا" بنت عمرہ بن عام بن حسان بن کعب بن عبد بن ابی بکر ابن کلاب عامری اور آپ کی نانی ریطہ بنت عبد اللہ بن ابی بکر تھیں۔ میدان جنگ میں 15 دشمنوں کو قتل کر کے بشر ابن خوط کے ہاتھوں شہید ہوئے۔۔

عبد الرحمان بن عقیل

آپ عقیل ابن ابی طالب کے فرزند اور میدان کربلا میں 17 دشمنوں کو قتل کر کے عثمان بن خالد ابن اشیم اور بشر بن خوط کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

عبد اللہ ابن عقیل

آپ عقیل ابن ابی طالب کے فرزند اور میدان کربلا میں بہت سے دشمنوں کو قتل کر کے عثمان بن خالد کے ہاتھون شہید ہوئے

موسیٰ ابن عقیل

آپ عقیل ابن ابی طالب کے فرزند اور میدان کربلا میں 70 دشمنون کو قتل کر کے سرور کائنات کی بارگاہ میں پہنچے۔

محمد بن ابی سعید بن عقیل

آپ جناب عقیل کے فرزند اور نہایت کم سن تھے جناب علی اکبر کی شہادت کے بعد آپ چوب خیمہ لے کر باہر نکلے اور امام علیہ السلام کی طرف رخ کیا ابھی آپ امام علیہ السلام کے نزدیک بھی نہیں پہنچے تھے کہ نفیظ ابن یاسی نے آپ پر تلوار کی ضرب لگائی اور آپ شہید ہو گئے

امام حسن علیہ السلام کی اولاد

عبد اللہ الاکبر عرف عمرو بن الحسن ابن علی ابن ابی طالب

آپ امام حسن علیہ السلام کے بڑے بیٹے اور آپ کی کنیت ابو بکر تھی آپ کی والدہ گرامی کا نام جناب "رملہ" اور کچھ روایات

کے مطابق "نفیلہ" تھا۔ میدان کربلا میں 80 آدمیوں کو قتل کرنے کے بعد عبداللہ بن عقبی غنوی کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

قاسم بن حسن ابن علی ابن ابی طالب

آپ امام حسن علیہ السلام اور جناب رملہ کے فرزند تھے آپ نہایت جری تھے ارزق شامی جیسے نامی گرامی پہلوان کو میدان کربلا میں قتل کیا۔ اور جب دشمنوں سے زیر نہ ہوئے تو سب نے اچانک چاروں طرف سے گھیر کر حملہ کیا اور عمیر بن نفیل ازدی کے وار سے گھائل ہوئے۔ گھوڑے سے گرنے کے بعد زندہ ہی پامال سم اسپاں ہوگئے۔

عبداللہ ابن حسن ابن علی ابن ابی طالب

آپ امام حسن علیہ السلام کے فرزند اور والدہ بنت شلیل بن عبداللہ بجلی تھیں آپ کے نانا صحابی رسول تھے کربلا میں سب بلوغ تک نہ پہنچے تھے مگر شجاعت بے مثال کے مالک تھے 14 دشمنوں کو قتل کر کے بدست ہانی ابن شیث خضرمی شہیند ہوئے۔

امام حسین علیہ السلام کی اولاد

علی اکبر بن الحسین الشہید ابن علی ابن ابی طالب

آپ امام علیہ السلام کے منجھلے بیٹے تھے امیر المومنین علیہ السلام اور جناب خاتون جنت سلام اللہ علیھا کے پوتے تھے۔ اپ کی والدہ کا نام "ام لیلی" تھا۔ آپ صورت اور سیرت میں پیغمبر اسلام کے مشابہ تھے آپ کا نام علی ابن حسین۔ کنیت ابوالحسن اور لقب اکبر تھا۔ آپ نے میدان کربلا میں120 دشمنوں کو قتل کیا اور منقذ ابن مرہ عبدی نے آپ کے گلوئے مبارک پر تیر مار اور ابن نمیر نے سینہ اقدس پر نیزے کا وار کیا۔ شہادت کے وقت آپ کی عمر18 برس تھی۔

علی اصغر ابن الحسین الشہید ابن علی ابن ابی طالب

آپ امام علیہ السلام کے کمسن ترین فرزند اور ۱۰ رجب سن 60 کو پیدا ہوئے آپ کی والدہ کا نام رباب بنت امرہ القیس بن عدی بن اوس تھا۔ یوم عاشور کو جب امام علیہ السلام نے آواز استغاثہ بلند کی تو آپ نے خود کو جھولے سے گرادیا۔ امام علیہ السلام جب بے شیر شہزادے کو لے کر میدان میں گئے تو لشکر میں ہلچل مچ گئی اور لشکر بے قابو ہونے لگا اور ابن سعد نے حرملہ کو حکم دیا کاے تیر سہہ شعبہ استعمال کرو۔ اس لعین نے گلوئے صغیر کو تاکا اور تیر کمان سے چھوڑ دیا تیر کا لگنا تھا کہ شش ماہہ امام علیہ السلام کے ہاتھوں پر منقلب ہو گئے۔ امام علیہ السلام نے خون علی اصغر علیہ السلام آسمان کی طرف پھر زمین کی طرف پھینکنا چاہا مگر دونوں نے اس خون ناحق کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ بالاخر آپ علیہ السلام نے اس لہو کو اپنے چہرہ مبارک پر مل لیا، اور فرمایا کہ "اسی حالت میں اپنے نانا کی بارگاہ میں جاوں گا"

انکار آسمان کو ہے راضی زمیں نہیں　　　اصغر تمہارے خون کا ٹھکانا کہیں نہیں

حوالہ کتب۔

ریاض الشہادت ،سیر آلائمہ،ناسخ التواریخ ،زیارت ناحیہ ،ابصار العین، جلاء العیون، اسرار شہادت، قمقام، دمعہ ساکبہ، روضتہ الشہداء ،نور العین ، مقاتل الطالبین ، مجالس مفجعہ ، ذکر العباس، چودہ ستارے۔

عزاداری امام مظلومؑ

اولیائے الٰہی کیلئے عزاداری کا فلسفہ کیا ہے؟

علی اصغر رضوانی

عزاداری حب و بغض کا مظہر

حب اور بغض ایسے دو متناقض امر ہیں جو انسان پہ عارض ہوتے ہیں اور انھیں نفس کے تمایل و عدم تمایل سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

وہ لوگ جن کی محبت واجب ہے۔ عقلی اور نقلی دلیلوں سے پتہ چلتا ہے کہ بعض افراد کی انسانوں پر محبت واجب ہے، ملاحظہ کریں:

ا۔ خداوند متعال

خداوند متعال کی ذات بابرکت ان افراد میں سرفہرست ہے جس کی محبت اس کے جامع کمال و جمال ہونے کی وجہ سے اور تمام موجودات کے اسی سے وابستہ ہونے کی وجہ سے، بنیادی طور پہ واجب ہے۔

خداوند متعال فرماتا ہے:" قل ان کان اٰباؤکم و ابناؤکم و اخوانکم و ازواجکم و عشیرتکم و اموال اقترفتموھا و تجارۃ تخشون کسادھا و مساکن ترضونھا احب الیکم من اللہ و رسولہ و جھاد فی سبیلہ فتربصوا حتی یأتی اللہ بامر ہ واللہ لا یھدی القوم الفاسقین "

(توبہ:۲۴) اے رسول! امت سے کہو کہ اے لوگو اگر تم اپنے آباء و اجداد فرزندوں، بھائیوں، عورتوں، رشتہداروں اور وہ مال جو تم نے جمع کیا ہے اور وہ مال تجارت کہ جس کی کساد بازاری سے ڈرتے ہو اور وہ گھر کہ جن سے تم کو دلی خوشی ہے، کو " خدا اور رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ دوست رکھتے ہو پس منتظر رہو تا کہ خدا کا امر جاری ہو جائے اور خدا فاسقوں اور بدکاروں کی ہدایت نہیں کرتا ہے۔

۲۔ رسول خداؐ

وہ افراد کہ جن سے خدا کیلئے محبت کی جائے، رسول اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی شخصیت ہے کیونکہ وہ تشریع و تکوین کے واسطہ فیض اور شفیع ہیں۔ اسی وجہ سے مذکورہ آیت میں خدا کے نام کے ساتھ ان کا اسم گرامی بھی ذکر کیا گیا ہے اور ان سے محبت کا حکم ہوا ہے۔

پیغمبر اسلام (ص) فرماتے ہیں:" واللہ لما یغذوکم و احبونی بحبّ اللہ " 1 خدا کو دوست رکھو کیونکہ وہ تمھیں رزق دیتا ہے اور مجھے خدا کیلئے دوست رکھو۔ دوسری طرف سے آنحضرت (ص) کے ذاتی فضائل اور کمالات ایسے عوامل ہیں جو انسان کو ان سے محبت کرنے پر مجبور کرتے ہیں اور ان کی طرف راغب کرتے ہیں۔

۳۔ اہل بیت علیہم السلام

اہل بیت (ع) کی محبت بھی واجب ہے کیونکہ وہ بھی فضائل و کمالات کا مظہر ہونے کے علاوہ تکوین و تشریع کے درمیان

واسطہ فیض ہیں۔ اسی لئے پیغمبر (ص) نے ان سے محبت کا حکم دیا ہے۔ پیغمبر اسلام فرماتے ہیں: "واحبّوا اهل بيتي لحبّي" اور میرے اہل بیت سے میرے لئے محبت کرو۔

۴۔ حب آل رسول کے لازم ہونے کی وجوہات

آل رسول (ع) کی محبت خدا اور رسول خدا (ص) کی مانند چند دلیلوں کی بناء پر واجب ہے۔

الف: اہل بیت (ع)، صا" حب رسالت سے منسوب ہیں جیسا کہ پیغمبر (ص) نے فرمایا: قیامت کے دن میرے علاوہ ہر حسب و نسب قطع ہو جائے گا۔

ب: اہل بیت خدا اور رسول کے محبوب ہیں جیسا کہ حدیث "رآیہ" اور حدیث "طیر" میں اس کی طرف اشارہ ہوا ہے۔

ج: اہلبیت (ع) سے محبت اجر سالت ہے بقول خداوند متعال" قل لا اسئلكم عليہ اجراً الا المودة فى القربى" شوریٰ: ۲۳

د: قیامت کے دن آل رسول (ص) کی محبت کے بارے میں پوچھا جائے گا جیسا کہ خدا فرماتا ہے "وقفوهم انهم مسئولون" (صافات: ۲۴) سبط ابن جوزی مجاہد سے نقل کرتے ہیں: قیامت کے دن علی (ع) سے محبت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ 2

ھ: اہل بیت (ع) کتاب خدا کے ہم پلہ ہیں جیسا کہ رسول خدا (ص) نے حدیث ثقلین میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ "انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی"

ح: اہلبیت (ع) سے محبت ایمان کی شرط ہے جیسا کہ فریقین سے صحیح السند احادیث وارد ہوئی ہیں کہ رسول (ص) نے علی (ع) کو مخاطب کر کے فرمایا: اے علی! آپ کو صرف مومن دوست رکھتا ہے اور صرف منافق دشمن رکھتا ہے۔

چ: اہل بیت (ع) امت کے لئے کشتئ نجات ہیں جیسا کہ صحیح السند احادیث میں فریقین نے ذکر کیا ہے کہ پیغمبر (ص) نے فرمایا: "مثل اهل بيتى فيكم مثل سفينة نوح من ركبها نجى ومن تخلف عنها غرق۔"

خ: اہلبیت (ع) کی محبت اعمال و عبادت کے قبول ہونے کی شرط ہے۔ پیغمبر اسلام (ص) حضرت علی (ع) سے فرماتے ہیں: اگر میری امت کے لوگ اتنے روزے رکھیں کہ ان کی کمر جھک جائے سینہ اندر چلا جائے اور اتنی نمازیں پڑھیں کہ ٹہنی کی طرح بن جائیں، لیکن اگر تم سے دشمنی کریں تو خداوند عالم انھیں منہ کے بل آتش جہنم میں ڈالے گا۔ 3

ذ: اہل بیت (ع) اہل زمین کیلئے امان ہیں: رسول اسلام (ص) فرماتے ہیں: ۔۔۔اور میرے اہلبیت (ع) زمین والوں کیلئے امان ہیں۔ قابل ذکر یہ ہے کہ محبت ایسی قدرت اور طاقت ہے جو انسان کو متحرک کر کے فعال بنا دیتی ہے تا کہ وہ اپنے محبوب اور مقتداء کی طرف حرکت کرے۔ فوق الذکر مطالب سے مجموعاً یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مجالس عزاداری بپا کرنا، محبوب سے محبت کرنے کا ایک ذریعہ، راستہ، مظہر اور جلوہ گاہ ہے کیونکہ ایک طرف سے ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ محبت کے سلسلے میں مختلف درجوں پر فائز ہیں اور دوسری طرف سے محبت کا اثر، صرف تحریک نفس ہی نہیں ہے بلکہ اس کا اثر عیاں کرتی ہے۔ اسی طرح اس کا خارجی اثر، صرف محبوب کی اطاعت ہی نہیں ہے اگر چہ اطاعت، محبت کے فہم اور اصلی آثار میں سے شمار کی جاتی ہے بلکہ اس کے آثار اور بھی ہیں اور ان دلیلوں کا اطلاق لزوماً ان سب آثار

پر شامل ہوتا مگر یہ کہ دوسری دلیلوں میں تعارض پیدا کرے جیسے محبوب کی محبت میں کسی کو قتل کرنا یا شریعت کے خلاف کوئی کام انجام دینا وغیرہ۔

انسان کی زندگی میں محبت کے جلوے

۱۔ اطاعت اور پیروی۔

۲۔ محبوب کی زیارت۔

۳۔ محبوب کی تعظیم۔

۴۔ محبوب کی حاجت روائی۔

۵۔ مختلف طریقوں سے محوب کا دفاع۔

۶۔ محبوب کے فراق میں غم و ماتم جیسے یوسف (ع) کے فراق اور جدائی میں یعقوب (ع) کا حزن۔

۷۔ محبوب کے آثار کی حفاظت۔

۸۔ محبوب کی نسل اور اولاد کا احترام۔

۹۔ محبوب سے مربوط چیزوں کا بوسہ لینا۔

۱۰۔ محبوب کی ولادت کے موقع پہ جشن منانا اور قصیدہ خوانی غیرہ

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ عزاداری، اہلبیت (ع) کی محبت کا لازمہ ہے۔

ثقافت عاشورا کو زندہ رکھنا اور اولیاء الٰہی کو یاد کرنا عقل کے مطابق ہے

اس بحث کے آغاز میں بتایا گیا کہ عزاداری حب و بغض کا ایک جلوہ اور مظہر ہے۔ اگر عقل سلیم کی طرف رجوع کریں تو اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اولیاء خدا خاص کر سرور شہیدان امام حسین (ع) کی عزاداری عقل کے مطابق ہے کیونکہ ان کی تعظیم در حقیقت ان کی شخصیت اور اہداف کی تعظیم و تکریم ہے اور اگر ایک امت اپنے بزرگوں کی تعظیم نہ کرے اور انھیں یاد نہ کرے تو اس کا انجام فقط فنا و نابودی ہے اور یہ رہبر و بزرگ ہیں جو امتوں کی تاریخ میں اصلی کردار ادا کرتے ہیں اور یہی شخصیتیں تاریخ ساز بھی ہوتی ہیں۔

حسینی مشن کے بعض اہداف

امام حسین (ع) فرماتے ہیں:

۱۔" انی لا اری الموت الا سعادۃ، والحیاۃ مع الظالمین الا برما " 4 میں ان حالات میں موت کو سعادت اور ظالموں کے ساتھ زندہ رہنے کو رنج و غم کے علاوہ کچھ بھی نہیں جانتا۔

۲۔" لیس الموت فی سبیل العز الا حیاۃ خالدۃ و لیست الحیاۃ مع الذل الا موت الذی لا حیاۃ معہ ": عزت کی موت (عزت کی راہ میں موت) جاودانی حیات کے علاوہ کچھ بھی نہیں اور ذلت کی زندگی موت کے سوا کچھ بھی نہیں۔

۳۔ " ألا و ان الدعی وابن الدعی قد رکز بین اثنتین ، بین السلۃ والذلۃ و ھیھات منا الذلۃ ": جان لو کہ زنازادہ فرزند زنازادہ (ابن زیاد) نے مجھے دو چیزوں میں مخیر کر رکھا ہے، یا ننگی تلوار کے ساتھ کیلئے تیار ہو جاؤں یا ذلت کی زندگی اختیار کروں (اور یزید کی بیعت کروں) لیکن ذلت ہم سے دور ہے۔

۴۔"انا للہ و انا الیہ راجعون وعلی الاسلام السلام اذ قد بلیت الامۃ براع مثل یزید " 5 ہم خدا کی طرف سے آئے ہیں اور اسی کی طرف پلٹ کر جانے والے ہیں، جب امت یزید جیسے کی رہبری میں گرفتار ہو جائے تو اسلام کو سلام کہہ دینا چاہیے۔

۵۔ " انی لم اخرج اشراً ولا بطراً ولا مفسداً وانما خرجت لطلب الاصلاح فی امۃ جدی ارید ان آمر بالمعروف وانھی عن المنکر واسیر بسیرۃ جدی و ابی علی ابن ابی طالب " 6 میں نے طغیان، اختلاف، فساد اور ظلم کیلئے قیام نہیں کیا ہے بلکہ میں نے اپنے نانا کی امت کی اصلاح کیلئے خروج (قیام) کیا ہے، میں چاہتا ہوں امر بمعروف اور نہی عن المنکر کروں اور اپنے جد اور والد حضرت علی ابن ابی طالب (ع) کی سیرت پہ عمل کروں۔

۳۔ امت کا اولیاء خدا کے ساتھ عاطفی رابطہ

لوگوں کے عقیدتی، سیاسی اور اجتماعی مسائل کی توجیہ کا ایک مہم اور اصلی طریقہ، انسان کے احساس کو بیدار کرنے کا طریقہ ہے یعنی اس راستے سے ہم ان مسائل کو حل کر سکتے ہیں۔ اس لحاظ سے انسان عقل اور دوسرے پہلوؤں کی نسبت زیادہ تاثیر پذیر ہے، دوسری عبارت میں یہ طریقہ زیادہ مؤثر ہے۔ پس اولیاء خدا خاص کر سرور شہیدان امام حسین (ع) کی شہادت کے ذریعہ لوگوں کو متوجہ کرکے ان کے احساسات اور عواطف کو بیدار کیا جاتا ہے اور اس طرح سے ان بزرگوں کو اسوہ قرار دے کر ان کے دستورات اور اوامر اور اہداف (جو کہ خدا کے اوامر ہیں) کو لوگوں تک پہنچا سکتے ہیں۔ اسی وجہ سے امام سجاد (ع) واقعہ عاشورا کے بعد 20 سال تک شہداء کربلا خاص کر امام حسین (ع) کیلئے گریہ وزاری کرتے رہے۔
یہ بحث، پیغمبر اسلام (ص) کی امام حسین (ع) کیلئے مدح اور تمجید کو مد نظر رکھتے ہوئے زیادہ واضح ہوتی ہے۔
پیغمبر اسلام (ص) نے فرمایا: "حسین منی و انا من حسین،احب اللہ من احب حسیناً" 7 حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے ہوں، خداوند اسے دوست رکھے جو حسین کو دوست رکھتا ہے۔
نیز پیغمبر (ص) نے فرمایا: "الحسن والحسین سیدا شباب اھل الجنۃ" 8 حسن اور حسین جوانان جنت کے سردار ہیں۔

عزاداری پر روائی دلیلیں

روایات معصومین (ع) اور صحابہ کی سیرت کو مد نظر رکھ کر پتہ چلتا ہے کہ یہ وہ بزرگوار ہیں جنھوں نے سب سے پہلے مجالس عزا کے اس مہم موضوع پر توجہ کرتے ہوئے اسے برپا کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔
حاکم نیشابوری اپنی صحیح سند میں ام الفضل سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: میں رسول خدا (ص) پہ وارد ہوئی اور عرض کیا: اے رسول خدا! آج رات میں نے ایک بہت ہی برا خواب دیکھا ہے، حضرت نے فرمایا: کیا خواب دیکھا؟ میں نے عرض کیا: بہت ہی برا، فرمایا: کیا دیکھا؟ میں نے عرض کیا: میں نے عالم رؤیا میں دیکھا گویا کہ آپ کے بدن کا ایک حصہ جدا ہوا اور میری آغوش میں آگیا، پیغمبر نے فرمایا: بہت ہی اچھا خواب دیکھا ہے حضرت فاطمہ (ع) کو اگر خدا نے چاہا بہت ہی جلد ایک بیٹا ہوگا جو تمھاری آغوش میں ہوگا۔ ام الفضل کہتی ہیں: فاطمہ زہرا (ع) کے ہاں امام حسین (ع) پیدا ہوئے اور وہ میری آغوش میں قرار پائے۔ جیسا کہ رسول خدا (ص) نے فرمایا تھا یہاں تک کہ میں رسول خدا (ص) کے پاس حاضر ہوئی اور انھیں ان کی گود میں رکھا۔ میں رسول خدا (ص) کی طرف متوجہ ہوئی، ناگاہ کیا دیکھا کہ آنحضرت (ص) کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ میں نے عرض کیا: اے رسول! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہو

جائیں، کیا ہوا ہے کہ آپ کو روتے ہوئے دیکھ رہی ہوں۔ حضرت نے فرمایا: جبرئیل مجھ پر نازل ہوئے اور مجھے خبر دی کہ بہت جلد میری امت میرے اس فرزند کو شہید کرے گی۔ میں نے عرض کیا: اس فرزند کو؟ فرمایا: ہاں اور اس وقت مجھے اس تربت خونین سے تھوڑی سی خاک دی۔9

حافظ طبرانی اپنی صحیح سند میں شیبان سے نقل کرتے ہیں: میں علی (ع) کے ساتھ تھا جب حضرت سرزمین کربلا پر وارد ہوئے، اس وقت فرمایا: اس جگہ پر کچھ شہید ہوں گے کہ ان جیسا شہداء بدر کے علاوہ کوئی نہیں ہو گا۔10

ترمذی صحیح السند حدیث میں سلمی سے نقل کرتا ہے: میں ام سلمی کے پاس حاظر ہوا جبکہ وہ رو رہی تھیں۔ میں نے ان سے عرض کیا: آپ کیوں رو رہی ہیں؟ فرمایا: میں نے عالم رؤیا میں رسول خدا (ص) کو دیکھا جبکہ ان کا سر اور چہرہ خاک آلود تھا، میں نے عرض کیا اے رسول خدا! کیا ہوا؟ یہ کیا حالت ہے؟ آپ نے فرمایا: میں ابھی حسین (ع) کی شہادت (قتل ہونے) کو دیکھ رہا تھا۔11

اولیاء خدا کی عزاداری میں حاضر ہونے کی تاکید

اولیاء خدا خاص کر امام حسین (ع) کی عزاداری بپا کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ ثواب بھی ہے اور بزرگان دین اس عمل کو انجام دیتے آئے ہیں۔ بخاری اپنی سند میں عائشہ سے نقل کرتا ہے: جب زید بن حارثہ جعفر اور عبد اللہ بن رواحہ کی شہادت کی خبر پیغمبر (ص) تک پہنچی آپ کے چہرے پر حزن اور غم کے آثار نمایاں تھے، آپ مسجد میں داخل ہوئے اور وہیں بیٹھ گئے۔12

ابن ہشام اپنی کتاب سیرہ میں لکھتا ہے: جب پیغمبر (ص) مدینہ میں داخل ہوئے تو شہداء پر نوحہ اور ماتم کی آواز سننے لگے۔ اس وقت آنحضرت (ص) کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور آپ نے روتے ہوئے فرمایا: حمزہ (ع) پہ رونے والا کوئی نہیں ہے۔ پیغمبر (ص) کا یہ کلام سن کر بنی اشہل کی عورتیں آئیں اور پیغمبر (ص) کے چچا پہ روئیں۔

مجالس عزاداری کے اہداف و مقاصد

اگر شیعوں کے درمیان اس طرح کی سنت رائج ہے تو اس کے مختلف اہداف ہیں جو مختصراً عرض ہیں:

۱۔ اسلام کے بزرگوں اور پیشواؤں کا مقام پہچنوانا کہ جن کی تمام زندگی اسلامی معاشرے کیلئے نمونہ عمل اور سر مشق ہے۔

۲۔ اہل بیت (ع) سے عشق اور محبت میں اضافہ اور زیادتی

۳۔ طلب کمال اور فضیلت

۴۔ دین کی طرف دعوت اور حقائق سے آگاہی اور لوگوں کو اصلاح کی طرف بلانا اور فساد و انحراف سے روکن

۵۔ لوگوں کو امام حسین (ع) کے قیام سے آگاہ کرنا

۶۔ مجالس عزا کے ضمن میں بھوکوں اور ناداروں کو کھانا کھلانا جو کہ قرآن و اسلام کے مؤکد دستورات میں سے ہے

۷۔ اہلبیت (ع) کے مصائب کو یاد کرنا جس سے اپنی سختیاں اور مصائب آسان ہو جاتی ہیں۔

۸۔ رسول خدا (ص)، حضرت فاطمہ زہرا (س) اور تمام ائمہ علیہم السلام سے ہمدردی کا اظہار

۹۔ واقعہ عاشورا فراموش نہ ہونے دینا، کیونکہ اگر یہ عزاداری نہ ہوتی تو آنے والی نسلیں حقیقت سے بے خبر رہتیں

۱۰۔ ظالموں خاص کر بنی امیہ اور بنی عباس کے ظلم و ستم کو افشا کرن

۱۱۔ انسانی اور خدائی فضائل میں رشد اور شہادت کیلئے روح کی پرورش کرن

۱۲۔ اسلام کو زندہ رکھنا کیونکہ اس عزاداری سے اسلام بھی زندہ رہا ہے

امام خمینی (رح) عزاداری کے بارے میں فرماتے ہیں: "۔۔۔ وہ بالکل نہیں جانتے کہ سید الشہداء کا مکتب کیا تھا اور وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ ان منبروں، گریہ و زاری اور ماتم نے ۱۴۰۰ سال سے ہمیں اور ہمارے مکتب کو بچائے رکھا ہے اور اب تک اسلام کو بچایا ہے "14

لہٰذا امام حسین (ع) کی عزاداری ایک انقلاب، قیام، موج اور اجتماعی مبارزہ و جہاد ہے۔ یہ عزاداری ہی ہے کہ جس کی وجہ سے عواطف اور احساسات میں شعور اور شناخت پیدا ہو جاتی ہے اور یہی عزاداری معاشرے کے ذہن میں ایمان کو اجاگر کرتی ہے اور مکتب عاشورا کو ایک فکر ساز عنوان کے طور پہ پیش کرتی ہے اور الہام بخش حادثہ کی صورت میں پہچنواتے ہوئے اپنی تاثیر کی حفاظت کرتی ہے۔ عزاداری کا مقصد خط خون و شہادت کو زندہ کرنا اور آل علی (ع) کی مظلومیت کی آواز کو تاریخ کے تمام لوگوں تک پہنچانا ہے۔ اسی عزاداری کے سائے تلے امام حسین (ع) پر گریہ و زاری کے علاوہ امام حسین (ع) کے قیام اور نہضت کا ہدف بھی معلوم ہو جاتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ مستدرک "حاکم، ج۳، ص ۱۹۴

۲۔ تذکرۃ الخواص، ص ۱۰

۳۔ تاریخ مدینۃ دمشق، ج۲، ص ۱۴۳

.4۔ تاریخ دمشق، ج۱۴، ص ۲۱۸

۵۔ مقتل خوارزمی، ج۱، ص ۱۸۴

۶۔ بحار الانوار، ج ۴۴، ص ۳۲۸

۷۔ سنن ابن ماجہ، ج۱، فضائل اصحاب رسول

۸۔ صحیح ترمذی، ج۵، ص ۶۱۷؛ مسند احمد، ج۳، ص ۳۶۹

۹۔ المستدرک، ج۳، ص ۱۷۶؛ کنز العمال، ج۶، ص ۲۲۳

۱۰۔ مقتل خوارزمی، ص ۱۶۲

۱۱۔ مستدرک، ج۴، ص ۱۹

۱۲۔ ارشاد الساری، ج۲، ص ۳۹۳

۱۳۔ السیرۃ النبویۃ، ج۳، ص ۱۰۵

۱۴۔ قیام عاشورا در کلام امام، ص ۱۶

عزاداری کی مشکلات کیا ہیں؟

حجت الاسلام والمسلمین اکبر دہقان

کتاب "امام حسین (ع) انبیاء کے وارث" کے مولف حجۃ الاسلام والمسلمین اکبر دہقان نے ایک مقالہ میں عزاداری سے متعلق آٹھ بنیادی سوالوں کا جواب دیا ہے۔ حوزہ علمیہ کے کامیاب مولف حجۃ الاسلام والمسلمین اکبر دہقان نے اب تک تقریباً ۳۵ کتابیں لکھی ہیں، آپ کی کتاب "ہزار و یک نکتہ از قرآن کریم" ممتاز کتاب قرار دی گئی ہے ،اب تک اس کتاب کی تین جلدیں لکھی گئی ہیں جبکہ مولف نے اب تک قرآن کریم کے تین ہزار نکتوں کو جمع کیا ہے۔

حجۃ الاسلام والمسلمین دہقان نے ماہ محرم کی آمد اور عزاداری سید الشہداء کی مناسبت سے اپنے مقالہ میں عزاداری سے متعلق آٹھ بنیادی سوالوں کا جواب دیا ہے :

قرآن کریم کی کس دلیل کی بنیاد پر عزاداری منانا چاہیے؟

قرآن کریم میں کچھ آیات ایسی ہیں جن میں تعظیم شعائر کے موضوع کو تقوائے قلوب کی نشانیاں بیان کیا گیا ہے (سورہ حج، آیت ۳۲) ۔ اس کے علاوہ خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے مجاہدین اور بزرگوں کی یاد منانے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے (سورہ مریم، آیت ۴۱۔اور سورہ آل عمران، آیت ۱۴۶) ۔

اور جو لوگ ناحق قتل کر دئے گئے ہیں وہ خدا پر ایمان رکھنے کی وجہ سے شہید ہوگئے ہیں (سورہ تکویر ، آیت ۸ و ۔ اور سورہ بروج، آیت ۴۔۸)

امام حسین (علیہ السلام) کے لئے عزاداری منانے کے موضوع میں بھی اسی طرح کی مختلف وجوہات پائی جاتی ہیں جیسے عزاداری، شعائر کی تعظیم بھی ہے اور مجاہدین کی یادگار بھی ہے اور یہ بات بھی واضح ہے کہ خدا پر ایمان رکھنے کی وجہ سے آپ نے دشمنوں کے سامنے سر نہیں جھکایا اور امام حسین (علیہ السلام) کے لئے عزاداری منانا ایک طرح سے رسالت کی اجرت ہے " قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربی"(سورہ شوری، آیت ۲۳) ۔

امام حسین (علیہ السلام) کے لئے نذر کرنے پر بھی بحار الانوار میں ایک حدیث موجود ہے جو اس کی تائید کرتی ہے " قال علی (علیہ السلام) " ان اللہ اختارنا و اختار لنا شیعۃ ینصرونا و یفرحون لفرحنا و یحزنون لحزننا و یبذلون اموالھم و انفسھم فینا اولئک منا والینا"۔ یقینا خداوند عالم نے ہمارا انتخاب کیا اور ایک ایسے گروہ کا انتخاب کیا جو ہماری مدد کریں اور وہ ہماری خوشی میں خوش ہوں اور ہمارے غم میں غمگین ہوں، اور اپنی جان و مال کو ہماری راہ میں قربان کریں، وہ لوگ ہم سے ہیں اور ہمارے ساتھ ہیں۔

عزاداری کی مشکلات کیا ہیں؟

اس سوال کے جواب میں پندرہ بنیادی مشکلات کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے:

۱۔ بعض لوگوں کا ریاکاری اور تظاہر کرنا۔

۲۔ مہمانداری میں اسراف کرنا۔

۳۔ محرم اور نامحرم کی رعایت نہ کرنا۔

۴۔ مستحبات، واجبات کو ضرر نہ پہنچائیں، قال علی (علیہ السلام): لا قربہ بالنوافل اذااضرت بالفرائض۔

۵۔ لوگوں کے راستہ میں جانوروں کو ذبح کرنا۔

۶۔ خمس وزکات اداء کئے بغیر انجمنوں کو پیسہ دینا۔

۷۔ علمائے دین سے عزاداری کو جدا کرنا۔

۸۔ قوم وقبیلہ کے تعصبات کو بڑھاوا دینا۔

۹۔ پرگراموں کو زیادہ لمبا کرنا اور لوگوں کو تھکا دینا۔

۱۰۔ عزاداروں اور انجمنوں میں تبعیض کا قائل ہونا۔

۱۱۔ بچوں کے ساتھ غلط سلوک کرنا۔

۱۲۔ امام بارگاہوں اور انجمنوں کے لئے نذر کرنے میں اعتدال کی رعایت نہ کرنا۔

ذاکری اور مرثیہ خوانی میں بھی بعض نکات کی طرف توجہ ضروری ہے جیسے:

۱۳۔ ایسا کلام پڑھے جس سے غلو کی بو آئے اور ایسی باتیں نہ کہیں جس سے معصومین (علیہم السلام) کا مقام ومنزلت کم ہو۔

۱۴۔ نماز کے اوقات میں عزاداری کو بند کر دیا جائے۔

۱۵۔ ایسے کلمات استعمال نہ کریں جس سے دشمن سوء استفادہ کرے، جیسے حسین کے دیوانوں کی انجمن۔ بلکہ اس کی جگہ یہ کہنا بہتر ہے حسین کے عاشقوں کی انجمن۔

اسی طرح تاسوعا اور عاشورہ کے علاوہ بہت ہی جانسوز مصائب نہ پڑھے، جانسوز مصائب اس وقت پڑھے جب اس کا حق ادا ہو جائے اور لوگ آنسوں بہا کر اس کا احترام کریں۔

امام حسین (علیہ السلام) کے لئے عزاداری کس حد تک منانا جائز ہے؟

اس حد تک کہ جذبات پر شعور غالب رہے اور منحرف ہونے کا خطرہ نہ ہو، قمہ لگانے، اپنے آپ کو طوق وزنجیر میں جکڑنے، سینہ کے بل زمین پر چلنے اور علم کے نیچے چلنے سے پرہیز کریں، کیونکہ کبھی کبھی اس طرح کے کام جسم کے لئے نقصان دہ ہوتے ہیں اور ان کاموں کے اوپر کسی طرح کی کوئی عقلی اور شرعی دلیل موجود نہیں ہے، لیکن ہاتھ سے ماتم کرنا اور بغیر پھل کی زنجیر سے ماتم کرنا صحیح ہے، امام خمینی (رہ) کے بقول، عزاداری کو قدیم طریقہ سے منانا چاہئے۔

کیا ایسے اشعار اور مباحث بیان کرنا جائز ہیں جن سے امام حسین کی خفت اور ذلت ہوتی ہو؟

قینا جائز نہیں ہے، جیسے زینب مضطرم، مہربان خواہرم، الوداع، الوداع!! کیونکہ امام حسین کا قیام عزت کی حفاظت کے لئے تھا: "ھیھات منا الذلہ"۔

کیا سیمینار، گفتگو، اور جلسات وغیرہ قائم کرنا عزاداری منانے سے بہتر نہیں ہے؟

انسان میں عقلائی اور عاطفی دو بعد پائے جاتے ہیں صرف عالمانہ بحث کرنے سے روح متحول نہیں ہوتی، یہ عزاداری، سیاہ کپڑے پہننا، آنسوں بہانے کا سبب ہوتے ہیں اور ایک طرح سے

روح میں ایک تحول پیدا ہو جاتا ہے، اور امام حسین (علیہ السلام) پر آنسووں بہانے کی وجہ سے بہت سے لوگ توبہ کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور تہذیب نفس حاصل کر لیتے ہیں۔

عزاداری سے متعلق عجیب و غریب اور ذہن سے دور ثواب بیان کرنا کس حد تک صحیح ہے؟

اس طرح کے ثواب ذکر کرنا ایسا ہی ہے جیسے فحشاء اور منکر کو دور کرنے میں نماز کا اثر ہوتا ہے اور یہ مقتضی ہے، علت تامہ نہیں ہے۔ جیسے کہا جائے جلانے کی علت آگ ہے، اگر کوئی مانع موجود نہ ہو۔ یا کہا جائے کہ پانی کے ذریعہ، آگ کو بجھایا جاتا ہے، لیکن ہر پانی اور ہر آگ میں یہ تاثیر اور تاثر نہیں پایا جاتا۔ ہر ایک پانی، ہر آتش کو خاموش نہیں کر سکتا؟

فقط امام حسین (علیہ السلام) کے لئے خاص طور سے عزاداری کیوں منائی جاتی ہے، دوسرے اماموں کے لئے کیوں نہیں منائی جاتی؟

مختلف خصوصیات جو اس واقعہ عاشورا میں پائی جاتی ہیں جیسے ان لوگوں کا محاصرہ کر لینا، پانی بند کر دینا، ان کے مال کو غارت کر دینا، ان کی عورتوں اور بچوں کو اسیر کر لینا، اور ان کے چھ مہینہ کے بچہ سے لے کر بوڑھے شخص کو پیاسہ شہید کر دینا وغیرہ۔ یقینا امام حسین (علیہ السلام) کا قیام بے مثال ہے۔

عزاداری کے ایام میں سیاہ کپڑے پہننے کا فلسفہ کیا ہے؟

سیاہ رنگ کے مختلف آثار ہیں، اور ہر گروہ اپنے لحاظ سے اس کو استعمال کرتا ہے:

۱۔ اپنے آپ کو چھپانے اور پردہ کرنے کیلئے۔
۲۔ ہیبت اور تشخص کا رنگ (اس لحاظ سے بعض شخصیات کا رسمی لباس سیاہ یا سرمہ ای ہوتا ہے)۔
۳۔ مجالس ماتم و عزا کے لئے حزن آور رنگ مناسب ہوتا ہے۔

جو بھی اپنے کسی عزیز کے غم میں سیاہ لباس پہنتا ہے اور در و دیوار کو سیاہ پوش کرتا ہے وہ اپنے عزیز سے یہ کہنا چاہتا ہے کہ تو ہماری آنکھوں کے لئے ٹھنڈک تھا اور تمہارے جانے سے ہماری دنیا سیاہ ہو گئی۔ حضرت فاطمہ زہرا (سلام اللہ علیہا) نے بھی اپنے والد کے فراق میں فرمایا: " یا ابتاہ... اسود نھارھا"۔ بابا... آپ کے غم میں دنیا تاریک ہو گئی (بحار الانوار، ج۴۳، ص۱۷۶)۔

امام باقر (علیہ السلام) نے بھی فرمایا ہے: "لما قتل الحسین بن علی لبس نساء بنی ھاشم السواد"۔ امام حسین (علیہ السلام) کے غم میں بنی ہاشم کی عورتوں نے سیاہ کپڑے پہنے تھے (وسائل الشیعہ)۔

اُردو مرثیہ اور عقیدت امام حسین علیہ السلام

نذر حافی

لفظ مرثیہ خود عربی کلمہ "رثا" سے ماخوذ ہے جس کا لغوی مطلب میت پر رونا ہے اور ادبی اصطلاح میں جو اردو زبان میں بالخصوص رائج ہے مرثیہ سے مراد وہ صنفِ شعر ہے جس میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے خاندان اور اصحاب و انصار کے مصائب بیان کئے جاتے ہیں۔ یہاں پر یہ ذکر کر دینا بھی ضروری ہے کہ اردو کے نامی گرامی شعراء نے مختلف لوگوں کے لئے مرثیے لکھے ہیں لیکن اس کے باوجود اردو میں مرثیے کو پذیرائی صرف اور صرف امام حسین علیہ السلام سے منسوب ہونے کے باعث ملی ہے۔

صاحب ذوق طبقہ بخوبی جانتا ہے کہ اردو ادب کا اپنا ایک وسیع جہان ہے اور اردو زبان کی اپنی ایک خوبصورت دنیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو زبان کا ہر شعبہ سخن علمی وفنی حدود و قیود کا پابند ہے۔ بعض لوگ زبان دانی کو محض قواعدِ انشاء پردازی کے رٹنے اور محاوروں کے ازبر کرنے تک محدود سمجھتے ہیں، چنانچہ وہ بحر ادب میں غوطہ زن تو ہو جاتے ہیں ۔

لیکن ساحل مقصود تک نہیں پہنچ پاتے۔ اپنے فروغ اور ارتقاء کے سفر میں اردو زبان نے کئی نشیب و فراز دیکھے ہیں اور اردو ادب نے کئی زینے طے کئے ہیں۔ جہاں تک اردو میں مرثیہ نگاری کا تعلق ہے تو ہمیں یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ مرثیہ نگاری فقط اردو زبان اور ہندوستان سے مخصوص نہیں ہے بلکہ دنیا کے تمام ممالک اور تمام زبانوں میں مرثیہ نگاری موجود ہے اور اپنی ہیّت و ماہیت کے اعتبار سے مرثیہ نگاری کا تعلق صنف شعر سے ہے۔

یہ تو ممکن ہے کہ کوئی ادیب بیک وقت نثر نگار بھی ہو اور شاعر بھی، لیکن نثر نگاری اور شاعری کے نہ صرف علمی و فنی تقاضے بلکہ ارتقاء و فروغ کی تاریخ بھی ایک دوسرے سے جدا اور مختلف ہے۔

لفظ مرثیہ خود عربی کلمہ "رثا" سے ماخوذ ہے جس کا لغوی مطلب میت پر رونا ہے اور ادبی اصطلاح میں جو اردو زبان میں بالخصوص رائج ہے مرثیہ سے مراد وہ صنفِ شعر ہے جس میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے خاندان اور اصحاب و انصار کے مصائب بیان کئے جاتے ہیں۔ یہاں پر یہ ذکر کر دینا بھی ضروری ہے کہ اردو کے نامی گرامی شعراء نے مختلف لوگوں کے لئے مرثیے لکھے ہیں لیکن اس کے باوجود اردو میں مرثیے کو پذیرائی صرف اور صرف امام حسین علیہ السلام سے منسوب ہونے کے باعث ملی ہے۔

پیغمبر اسلام (ص) اور حضرت امام حسین علیہ السلام سے ہندوستانیوں کی گہری عقیدتی وابستگی کے باعث اردو زبان میں مرثیہ نگاری کو جو مقام اور توجہ حاصل ہوئی، وہ کسی اور زبان میں حاصل نہ

ہو سکی۔ صرف خاندانِ انیس کو ہی لیجئے، اس خاندان نے آٹھ پشتوں تک خود کو صرف اور صرف مرثیہ نگاری کے لئے وقف کئے رکھا ہے۔ دنیائے ادب میں کسی صنف سخن سے اس طرح کی خاندانی وابستگی کسی دوسری زبان میں نہیں ملتی۔ میر انیس خود فرماتے ہیں کہ

اس ثناءخواں کے بزرگوں میں ہیں کیا کیا مداح
جدّ اعلٰی سا نہ ہوگا کوئی اعلٰی مداح
باپ مداح ہے داد مداح
عم ذیقدر ثناءخوانوں میں ہے یکتا
مداح جو عنایات الٰہی سے ہوا نیک ہوا
نام بڑھتا گیا جب ایک کے بعد ایک ہوا

میر انیس پانچویں پشت میں اس فن سے مربوط تھے، اُن کے بعد تین پشتوں تک اُن کا خاندان مرثیہ نگاری سے ہی وابستہ رہا۔ ہندوستان میں اردو مرثیے کے آغاز کے سلسلے میں اگرچہ محققین متفق نہیں ہیں لیکن پھر بھی صاحبان نظر و فکر کا ایک بڑا حلقہ اس بات پر زور دیتا چلا آرہا ہے کہ اردو مرثیے کی تاریخ چار سو سال پر محیط ہے اور ہندوستان میں اردو مرثیے کا آغاز دکن سے ہوا ہے۔ محقیقین کے ایک گروہ نے سلطنت گولکنڈہ کے حکمران محمد قلی قطب شاہ کو اردو کا پہلا مرثیہ گو شاعر تسلیم کیا ہے، جس کے بعد مرثیہ گوئی کی یہ لہر ریاست بیجاپور میں داخل ہوئی اور بیجاپور کے "قطب شاہی" اور "عادل شاہی" حکمرانوں نے اس فن کی سرپرستی کرکے اسے مقبولِ عام بنانے میں قابل قدر کردار ادا کیا۔

بعد ازاں جب 1687ء میں دکن پر مغلوں کا قبضہ ہو گیا تو پھر 1722ء تک مرثیہ مغل حکمرانوں کی زیر سرپرستی نشوونما پاتا رہا اور مرثیہ گو حضرات اس دوران غزل اور قصیدے کی شکل میں اپنے فنون کا اظہار کرتے رہے۔ البتہ یتیم نامی ایک شاعر نے اس دور میں اپنے ہم عصر شعراء سے انفرادیت اختیار کرتے ہوئے مربع کی شکل میں مرثیے لکھ کر ایک نئی پیش رفت کی بنیاد ڈالی۔ وقت کے ساتھ ساتھ یہ فن دکن اور بیجاپور

سے پھیلتا ہوا ارکاٹ، سدھوٹ اور میسور تک جا پہنچا۔ بعد میں جب مغلوں کا اقتدار دکن پر قائم ہوا تو مرثیہ نگاری میں کئی اخلاقی اور علمی قدریں بھی شامل ہوتی گئیں۔ اس دوران مثلث، مربع، مخمس اور مسدس کی شکل میں مرثیے لکھے گئے۔

تحقیق سے اگرچہ یہ بات تو تقریباً ثابت ہو جاتی ہے کہ دلی میں اردو شاعری دکن سے آئی ہے، لیکن محمد شاہی خاندان کی فن مرثیہ کی سرپرستی کے باعث دہلی کے شعراء نے دکن کے شعراء سے الگ اپنا مقام اور منفرد حیثیت کا لوہا منوایا ہے۔ دہلی کے ساتھ لکھنو کا ذکر بھی ضروری ہے۔ 1775ء میں شجاع الدولہ کے عہد میں مرثیہ گوئی کا آغاز ہوا۔ لکھنو کے ہی ایک شاعر "سکندر" کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اُس نے اردو کے علاوہ پنجابی، بنگلہ اور مارواڑی میں بھی منفرد مرثیے لکھے ہیں۔ دراصل سکندر دہلی سے اودھ آ گئے تھے اور اودھ لکھنو کے ہی ایک شاعر "سکندر" کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اُس نے اردو کے علاوہ پنجابی، بنگلہ اور مارواڑی میں بھی منفرد مرثیے لکھے ہیں۔ دراصل سکندر دہلی سے اودھ آگئے تھے اور اودھ لکھنو کا دارالحکومت تھا۔

لکھنو میں مرثیہ نگاری کے پانچویں دور کو جدید مرثیہ گوئی کی بنیاد قرار دیا جاتا ہے اور جدید مرثیہ گوئی کا موجد مرزا اوج کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ پھر 1918ء میں جوش ملیح آبادی نے "آواز حق" کے نام سے مرثیہ

لکھ کر مرثیے کی دنیا میں ایک نئی اور انقلابی جہت متعارف کرائی۔ بعد ازاں 1944ء میں جوش نے "حسین اور انقلاب" نامی مرثیہ لکھ کر مرثیہ کے روایتی اسلوب کو نئی جدتوں اور جہتوں سے مزین کر دیا۔
جوش کے مرثیے
حسین (ع) اور انقلاب" کا ایک بند نمونہ کے طور پر ملاحظہ " فرمایئے۔

پھر آفتابِ حق ہے لبِ بام اے حسین
پھر بزمِ آب و گل میں ہے کہرام اے حسین
پھر زندگی ہے سست و سبک گام اے حسین
پھر حریت ہے موردِ الزام اے حسین
ذوقِ فساد و ولولہ شر لئے ہوئے
پھر عصرِ نو کے شمر ہیں خنجر لئے ہوئے

البتہ محققین جوش کے ساتھ نجم آفندی کی ادبی خدمات کے بھی معترف ہیں کہ انہوں نے بھی مرثیے کے روایتی خدوخال کو جدید اسلوب میں ڈھالنے میں اہم کردار ادا کیا ہے اور یوں تاریخ مرثیہ جب اپنے ارتقائی مراحل طے کرتے ہوئے پاکستان میں داخل ہوتی ہے تو محققین سید آل رضا کو پاکستان کا پہلا مرثیہ نگار قرار دیتے ہیں۔
البتہ اُن کے ہم عصر شعراء یاور عباس، نسیم امروہوی اور صبا اکبر آبادی نے بھی مرثیے کی دنیا
میں گرانقدر خدمات انجام دی ہیں۔ پاکستان کے سیاسی و مذہبی حالات پاکستان میں مرثیہ نگاری پر بھی مرتب ہوئے اور یوں پاکستان میں فن مرثیہ نگاری کو خاطر خواہ فروغ حاصل نہ ہو سکا، لیکن اس کے باوجود پاکستان میں کئی نامور مرثیہ نگار منظر عام پر آئے ہیں۔ جن میں سے صرف چند ایک کے نام نذر قارئین ہیں۔
ڈاکٹر ہلال نقوی، سید محسن نقوی، قیصر بارہوی، جوہر نظامی، اثر جلیلی، ظہیر الدین حیدر، اثر ترابی، ظفر شارب، مسعود رضا خاکی، علامہ طالب جوہری، مولانا افسر عباس زیدی (افسر دہلوی) وحید الحسن ہاشمی وغیرہ۔
اگرچہ حکومت پاکستان نے کسی بھی دور میں مرثیہ نگاری کی سرپرستی نہیں کی، لیکن اس کے باوجود حضرت امام حسین علیہ السلام سے منسوب ہونے کے باعث مرثیہ نگاری اور مرثیہ گوئی کو پاکستان کے عوامی حلقوں میں مقبولیتِ عام حاصل ہے۔ اسی لیئے پاکستان کے جتنے بھی نامور خطیب اور شعراء ہیں، اُن کے کلام میں مرثیہ شناسی کی جھلک نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔

استفادہ:

بیسویں صدی میں اردو مرثیہ از ہلال نقوی
انیس شناسی از پروفیسر گوپی چند نارنگ